قیمت سالانہ پیشگی اندرون ہند ۱۰عہ
قیمت سالانہ پیشگی بیرون ہند ۱۳عہ

نمبر ۴۷	مورخہ ۱۸ اکتوبر سنہ ۱۹۳۲ء	یوم سہ شنبہ	مطابق ۱۶ جمادی الثانی سنہ ۱۳۵۱ھ	جلد ۲۰

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی تشریف آوری

۱۶ اکتوبر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز مع اہل بیت ڈلہوزی سے بذریعہ موٹر تشریف لے آئے۔ حضور کے استقبال کے لئے ایک بہت بڑا مجمع بٹالہ قادیان والی سڑک پر ۲ بجے دوپہر پہنچ گیا۔ اور پانچ بجے کے قریب حضور تشریف لائے۔ مجمع نے نعرہائے تکبیر سے استقبال کیا۔ حضور نے موٹر سے اُتر کر تمام اصحاب سے جو صف بستہ کھڑے تھے۔ مصافحہ کیا۔ اور پھر مجمع کے ساتھ پیدل قصر خلافت تک تشریف لائے۔

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

صداقتِ مسیح موعودؑ کے نشانات

(فرمودہ ۱۸ اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء)

"خدا کی قدرت ہے۔ کہ ارضی اور سماوی تمام نشانات اور علامات پورے ہوتے جاتے ہیں۔ اور بہت سے ہو گئے۔ ضروریات مشہودہ محسوسہ بتا رہی ہیں۔ کہ آنیوالا اب آنا چاہئے۔ اور پھر اس قدر تائیدی نشان ظاہر ہو گئے ہیں۔ کہ کسی کے لئے اتنے نشان نہیں ہوئے اور ایسے صاف کہ ہزاروں لاکھوں انسان ان کے گواہ ہیں پھر یہ کیوں انکار کرتے ہیں۔ صرف حدیثوں کو ہاتھ میں لیکر جو ظن کی حد سے آگے نہیں جاتیں۔ قرآن کا مقابلہ نہیں کرنا چاہئے قرآن شریف کھلے کھلے طور پر میری تائید کرتا ہے۔ اور پھر حدیث صحیح بھی جو قرآن سے متعارض نہیں۔ میری تائید کرتی ہے۔ عقلی دلائل بھی میرے ساتھ ہیں۔ اور ضروریاتِ مشہودہ محسوسہ بھی میرے ساتھ ہیں۔ اگر تقوےٰ ہوتا۔ تو چاہئے تھا۔ کہ خاموشی سے سنتے۔ اور قبول کرتے مگر انہوں نے افترا بنائے اور طرح طرح سے مجھے دکھ دیئے۔ یہ لوگ خدا سے نہیں ڈرتے۔"

(الحکم ۳۱ اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء)

جلسہ ہائے سیرۃ النبیؐ اور احمدی جماعتیں

ہر علاقہ میں کم از کم جس تعداد میں سیرت النبیؐ کے جلسے منعقد کرنے کا احباب کرام کو انتظام کرنا چاہئے۔ وہ درج ذیل کی جاتی ہے ذمہ دار احباب ان جلسوں کے اہتمام کے لئے ابھی سے کوشش شروع کردیں۔ مومن کی ہر حالت پچھلی حالت سے بہتر ہوتی ہے۔ وہ ہر قدم آگے بڑھاتا ہے۔ جو تعداد میں نے مرکزی جماعتوں کے لئے تجویز کی ہے۔ وہ میری توقعات سے بہت کم ہے۔ اور اگر معمولی سے عزم کے ساتھ تھوڑی سی بھی کوشش کی جائے۔ تو کم از کم پانچ ہزار مقامات میں سیرت النبیؐ کے جلسے کامیاب بنائے جاسکتے ہیں۔

نوٹ:۔ جلسوں کی تعداد کے اندراج کے لئے جو فارم گذشتہ سالوں میں بھجوائے جاتے تھے۔ وہ چھپوائے جارہے ہیں انشاء اللہ جلد جماعتوں کو روانہ کردیئے جائیں گے۔ ناظر دعوۃ و تبلیغ

مقام	تعداد	مقام	تعداد
امرت سر	۴۰	ملتان	۵۲
انبالہ	۲۵	منٹگمری	۷۰
جھنگ	۴۰	میانوالی	۲۰
جہلم	۴۰	ہوشیارپور	۲۵
جالندھر	۵۰	بہاولپور	۲۰
دہلی	۲۰	پٹیالہ۔ جیند وغیرہ	۵۰
ڈیرہ غازیخاں	۲۵	کشمیر	۷۰
راولپنڈی	۲۵	جموں	۲۰
رہتک۔ حصار	۲۵	ڈلہوزی	۷
سرگودھا	۷۵	چنبہ	۴
شیخوپورہ	۴۰	کپورتھلہ	۷
سیالکوٹ	۷۵	سرحد	۲۴۰
شملہ	۶	یو۔پی	۳۵۰
فیروزپور	۴۰	سی۔پی	۶۰
دھرم سالہ	۱۲	بہار۔ اڑلیسہ	۷۵
گوجرانوالہ	۴۳	بنگال	۳۶۰
گجرات	۵۰	آسام	۱۲
گورداسپور	۱۰۰	برہما	۱۵
کرنال	۲۰	مدراس	۲۰
گوڑگانواں	۱۳	مالابار	۲۵
لاہور	۴۰	حیدرآباد۔ میسور	۲۴۰
لائل پور	۵۰	بمبئی	۳۰
لدھیانہ	۲۵	سندھ	۱۲۰
مظفرگڈھ	۳۰	راجپوتانہ	۲۵
خاندیش	۷	فلسطین و شام	۲۵
میزان اندرون ہند	۲۸۳۳	امریکہ	۱۲
آسٹریلیا	۱۲	لنڈن	۷
ایران و عراق	۲۵	سماٹرا و جاوا	۵۰
ایسٹ افریقہ	۲۰	حیفا	۳
ویسٹ افریقہ	۴۰	میزان بیرون ہند	۱۹۴

شکریہ اور مبارکباد

میں ان تمام احباب جماعت کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے یوم التبلیغ منانے میں حصہ لیا ہے۔ اور انہیں اس یوم کے کامیاب منائے جانے پر مبارکباد دیتا ہوں۔ خدا تعالےٰ ہماری اس جدوجہد کے اعلےٰ سے اعلےٰ نتائج پیدا کرے۔ اور اس میں حصہ لینے والوں کو اجر عظیم سے بہرہ ور کرے۔ آمین۔

یوم التبلیغ تو کامیاب طور پر منایا جاچکا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ مگر یوم التبلیغ میں حصہ لینے والوں کی فہرستیں بہت سی جماعتوں کی طرف سے ابھی تک موصول نہیں ہوئیں۔ میں اُن تمام جماعہائے احمدیہ سے جنہوں نے فہرستیں ابھی نہیں بھجوائیں یہ آخری گزارش کرتا ہوں۔ کہ وہ مذکورہ بالا فہرستیں مع رپورٹ کارگزاری ایک ہفتہ تک بھجوا کر ممنون فرمائیں۔ تا یوم التبلیغ میں شامل ہونے والوں کی تعداد کا جماعت وار اندازہ کرکے اور ان کی کارگزاری کی رپورٹ۔ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ کی خدمت میں پیش کی جاسکے۔ ناظر دعوۃ و تبلیغ۔ قادیان۔

مسلم کانفرنس کشمیر کا اجلاس

سرینگر ۱۶ اکتوبر۔ پبلسٹی آفیسر کشمیر مسلم کانفرنس بذریعہ تار اطلاع دیتے ہیں۔ کانفرنس میں شمولیت کے لئے ہر طرف سے نمائندگان ۱۳ کو ہی پہونچنا شروع ہوگئے تھے۔ ۱۵ کی شام کو سات بجے اجلاس پتھر مسجد میں شروع ہوا۔ جہاں پندرہ فٹ بلند چوبی پلیٹ فارم تعمیر کیا گیا تھا جو دوصد ڈیلیگیٹ اور یکصد وزیٹر اور ممبران استقبالیہ کمیٹی کے بیٹھنے کے لئے کافی تھا۔ لاؤڈ سپیکر (آلہ مکبر الصوت) بھی لگایا گیا۔ ہزار ہا وزیٹر موجود تھے۔ کہیں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ بلکہ احاطہ سے باہر بھی لوگ کھڑے تھے شیخ محمد عبداللہ صاحب کی آمد پر اللہ اکبر کے نعروں سے فضا گونج اٹھی۔ صدر استقبالیہ کمیٹی کی طرف سے خواجہ غلام احمد صاحب اشائی نے خطبہ پڑھا۔ جس میں کانفرنس کی اہمیت واضح کی۔ ازاں بعد صاحب صدر شیخ محمد عبداللہ صاحب نے اپنا خطبہ پڑھا جس میں بتایا۔ کہ یہ تحریک فرقہ وارانہ نہیں۔ مہاراجہ بہادر کی ذات

کارکنانِ انجمن ہائے احمدیہ سے گزارش

کتنے پرچے خاتم النبیینؐ نمبر کے مطلوب ہیں

۵ اکتوبر کو تمام معتمدین انجمن ہائے احمدیہ کو ایک چٹھی ارسال کی گئی ہے۔ کہ جلد سے جلد احباب جماعت مقامی سے مشورہ کرکے اطلاع دیں۔ کہ آپ کو کتنے پرچے خاتم النبیینؐ نمبر کے بھیجے جائیں۔ چار پانچ آنے فی پرچہ قیمت ہوگی۔ وی۔پی ہو۔ یا آپ قیمت بذریعہ منی آرڈر بھیج دیںگے۔ اس کے بعد کوئی صاحب یہ شکوہ نہ فرمائیں۔ کہ ہمارے لئے پرچے مہیا نہیں کئے گئے۔ کیونکہ چھپوائی شروع ہوجانے پر پھر تعداد اشاعت کا بدلنا بلحاظ پریس پر قریبًا محال ہوتا ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے اظہار کے لئے ایک سال میں ایک چونی کا خرچ ہر احمدی اور مسلم کو خوش دلی سے برداشت کرنا موجب سعادتِ دارین سمجھنا چاہئے۔ (مینجر الفضل)

حضرت مسیح موعودؑ کے ایک مخلص صحابی کا انتقال

نہایت افسوس کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ کہ حضرت مولوی فضل الدین صاحب ساکن کھاریاں ضلع گجرات جو بہت بڑے عالم اور باعمل بزرگ تھے۔ جنہوں نے ۱۸۹۱ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی بیعت کی۔ اور جن کا نام ۳۱۳ اصحاب کی فہرست میں دوسرے نمبر پر درج ہے۔ سات ہفتہ کی علالت کے بعد ۱۴ اکتوبر کو وفات پائی۔ انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون۔ جنازہ بذریعہ لاری قادیان لایا گیا۔ بہت بڑے مجمع کے ساتھ مولانا مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور مرحوم مقبرہ بہشتی میں دفن کئے گئے۔

اس صدمہ میں ہمیں آپ کے خاندان اور آپ کی اولاد سے جو بفضل خدا بہت مخلص اور قابل ہے۔ اور احمدیت کے متعلق بہت جوش رکھتی ہے۔ دلی ہمدردی ہے۔ بیرونی جماعتیں مولوی صاحب مرحوم کا جنازہ غائب پڑھیں اور دعاء مغفرت کریں۔

اور حکومت سے وفاداری کا اعلان کیا گلینسی رپورٹ کے اچھے نکات کی تعریف کی۔ لیکن اس امر پر افسوس کیا۔ کہ اس کی سفارشات پر عمل نہیں ہورہا۔ حکومت سے علاقہ میرپور سے آرڈی نینسوں کی واپسی اور وہاں کے حالات کی تحقیقات کیلئے ایک آزاد کمیشن کے تقرر نیز پریس ویلیٹ فارم

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الفضل
نمبر ۴۷ | قادیان دارالامان مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۲ء | جلد ۲۰

کیا اچھوتوں کو ہندو انسان سمجھنے لگ گئے؟

ہندو چند روزہ نمائشی ملاپ کے بعد

ہندوؤں کیلئے ناممکن امر

ہندوؤں کے لئے اگر ممکن ہوتا۔ کہ خدا تعالیٰ کی وہ مخلوق جس کا نام ان کے دہرم نے اچھوت رکھا ہے۔ اُسے انسانیت کا درجہ دے سکتے۔ اور اس کے ساتھ انسانوں کا سا سلوک کر سکتے۔ تو آج ہندوستان کی سرزمین میں اچھوتوں کا وجود ہی نہ پایا جاتا۔ اور ان پر جو ستم روا رکھے جاتے ہیں۔ ان کا نام و نشان نہ نظر آتا۔ لیکن جب ہندو دھرم نے انسانیت کے نام پر دھبہ لگا کر ایک ہی زمین میں رہنے اور ایک ہی آسمان کے نیچے بسنے والے انسانوں میں شرمناک اور ظالمانہ تفریق پیدا کر کے کثیر التعداد مخلوق کو بدترین حیوانوں سے بھی نیچے گرا دیا۔ اور اپنے پیروؤں کا یہ فرض قرار دیدیا۔ کہ اس طبقہ کو جبر و تشدد۔ ظلم و ستم کا نشانہ بناتے رہیں۔ تو پھر کس طرح ممکن ہے۔ کہ اب وہ اچھوتوں کو گلے لگانے اور انہیں اپنے مساوی درجہ دینے کے لئے تیار ہو سکیں۔

گاندھی جی کی فاقہ کشی

ان حالات میں گاندھی جی کو خودکشی سے باز رکھنے کے لئے ہندوؤں نے اچھوتوں کے متعلق جو رویہ اختیار کیا۔ اور ان کو اپنے مساوی مذہبی و معاشرتی حقوق دینے کے متعلق جو شور برپا کیا۔ اس کی حقیقت بالکل واضح ہے۔ گاندھی جی نے فاقہ کشی اس لئے اختیار نہ کی۔ کہ ان کے دل میں اچھوتوں کی حالت زار نے جو ہندوؤں کے ناروا سلوک اور بے پناہ مظالم نے بنا رکھی ہے۔ درد پیدا کیا۔ گاندھی جی نے خودکشی کرنے کا اس لئے تہیہ نہ کیا۔ کہ اچھوتوں کو سوشل اور پولیٹیکل حقوق دلائیں۔ بلکہ انہوں نے یہ اقدام اس لئے کیا۔ کہ سیاسیات میں اچھوتوں کے مستقل حقوق قائم ہو جانے کی وجہ سے ہندوؤں کو ضعف پہونچے گا۔ ہندوؤں کی تعداد کم ہو جائیگی۔ ہندوؤں نے اچھوتوں کے جن حقوق پر غاصبانہ قبضہ جما رکھا ہے۔ وہ ان سے چھن جائینگے۔ ورنہ اچھوت آج پیدا نہیں ہوئے۔ اور نہ ان پر مظالم کا سلسلہ اب شروع ہوا ہے۔ جبکہ وزیر اعظم نے فرقہ وارانہ فیصلہ میں ان کے حقوق کی کسی قدر تعیین کی تھی۔ اچھوت صدیوں سے چلے آرہے ہیں۔ اور ان کے متعلق ہندوؤں کا جو طریق عمل ہے۔ اس سے بھی گاندھی جی ناواقف نہیں تھے۔ اگر اچھوتوں سے ہمدردی اور ان کی خیر خواہی مدنظر تھی۔ تو قبل ازیں کسی وقت خودکشی کے لئے وہ کیوں تیار نہ ہوئے۔

ہندوؤں کا چکمہ

غرض گاندھی جی کی فاقہ کشی کی غرض سوائے اس کے کچھ نہ تھی۔ کہ اچھوتوں کو ہندوؤں کے ظالمانہ قبضہ و تصرف سے نہ نکلنے دیں۔ اور ان کی وجہ سے جو فوائد ہندو حاصل کر رہے ہیں۔ ان سے محروم نہ ہونے پائیں۔ یہ بات ہندوؤں نے بھی خوب اچھی طرح سمجھ لی۔ لیکن اس میں اس وقت تک کامیابی نہ ہو سکتی تھی۔ جب تک اچھوتوں کو اپنے سابقہ طریق عمل میں تغیر کرنے کا چکمہ نہ دیا جاتا۔ اس لئے ہندو لیڈروں نے گاندھی جی کی زندگی بچانے کا واسطہ دیکر عام ہندوؤں کو اس بات کے لئے تیار کرنے کی کوشش کی۔ کہ وہ اچھوتوں کی ہمدردی اور خیر خواہی کے بلند بانگ دعوے کرنے شروع کر دیں۔ غیر معروف اور کم مقدس مندروں کے دروازے کھولکر مندروں کے احاطہ میں نہ کہ مورتیوں کے پاس انہیں جانے کی اجازت دیدیں۔ کنوؤں سے پانی بھر لینے دیں۔ اور خود تیار کردہ اشیاء اچھوتوں کے ہاتھوں سے لیکر کھالیں۔ ادھر شاستروں کے حوالہ سے انہیں بتایا گیا۔ کہ پولیٹیکل بے چینی اور خطرہ کے موقعہ پر اچھوتوں کے ساتھ چھونے اور انہیں کنوؤں پر چڑھانے میں دوش نہیں۔ اس طرح کہیں کہیں اچھوتوں کے ساتھ چھونے اور انہیں کنوؤں پر چڑھانے کا انتظام کیا گیا۔

آگے کی بجائے پیچھے کو

لیکن یہ سب کچھ چونکہ محض خود غرضی کی بنا پر کیا گیا۔ اور اچھوتوں کو اپنے مساوی درجہ دینا تو الگ رہا۔ اس کا خیال بھی کسی کے دل میں نہ تھا اس لئے اب جبکہ یہ سمجھ لیا گیا۔ کہ اچھوت ان کے پھندے میں پھر پھنس گئے ہیں۔ اور گاندھی جی نے بھی اس طرف سے مطمئن ہو کر فاقہ کشی ترک کر دی ہے تو ہندو اچھوتوں کے متعلق اسی مقام پر واپس لوٹ رہے ہیں۔ جس پر چند روزہ نمائشی شور و غوغا سے پہلے تھے۔ اور اخبارات میں تو یہاں تک شائع ہوا ہے۔ کہ بعض مقامات پر ان لوگوں نے جنہوں نے کسی اچھوت کی مس کی ہوئی کسی چیز کا کوئی ذرہ نگل لیا تھا۔ پیٹ صاف کرنے کے لئے جلاب لئے۔ کئی جگہ اچھوتوں کو اس لئے مارا پیٹا گیا ہے۔ کہ انہوں نے کسی مندر کے احاطہ میں داخل ہونے کی جرأت کی۔ اور اعلان کئے جا رہے ہیں۔ کہ اچھوتوں کو صرف مندر کا کلس دیکھکر ہی مطمئن ہو جانا چاہئے

پنڈت مالویہ کا رویہ

ادھر پنڈت مدن موہن مالویہ جی ایسے ہندو لیڈر نے پینترا بدل لیا ہے۔ حالانکہ گاندھی جی سے فاقہ کشی ترک کرانے کے لئے اچھوتوں کو مطمئن کرنے میں سب سے زیادہ حصہ انہوں نے ہی لیا۔ اور شاستروں کے حوالے دے دیکر ظاہر کر رہے تھے۔ کہ ہندو دھرم میں چھوت چھات کا نشان تک نہیں۔ اور پرمیشور کے نزدیک برہمن اور اچھوت میں کوئی فرق نہیں۔

سابقہ اعلان

چنانچہ انہوں نے ایک اعلان میں بتایا۔

"دھارمک گرنتھوں میں اچھوت پن کی منظوری نہیں۔ اور اگر اچھوت پن کو دور کرنا مذہب کے خلاف ہوتا تو میں کبھی اس کی حمایت نہ کرتا خواہ مجھے مہاتما گاندھی کی خواہشات کی مخالفت ہی کیوں نہ کرنی پڑتی۔ ایک ایشور کا نام لینے سے منش کی ساری برائیاں دور ہو جاتی ہیں۔ اور جب انسان خواہ وہ ہندو ہو یا اچھوت۔ جس وقت ایشور کا نام لیتا ہے وہ پاک ہو جاتا ہے۔ ایشور کو صرف بھگتی کی ضرورت ہے۔ اس کے نزدیک ایک برہمن اور اچھوت میں کوئی فرق نہیں"

موجودہ اعلان

لیکن اب انہی مالویہ جی نے ایک بیان شایع کرایا ہے جس میں اعلیٰ ذات کے ہندوؤں اور اچھوتوں کے ایک ساتھ کھانے پینے اور آپس میں رشتہ ناطہ کرنے کی سخت مخالفت کی ہے۔ ان کے نزدیک چھوت چھات ترک کرنے کا صرف یہ مطلب ہے۔ کہ اچھوتوں کو مورتیوں کا درشن کرنے۔ کنوؤں سے پانی بھرنے۔ سکولوں میں پڑھنے اور سڑکوں پر چلنے کی اجازت ہونی چاہئے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ انہوں نے اس سے آگے بڑھنے کا نام ہندو دھرم کی مقرر کردہ ذات پات پر حملہ رکھا۔ اور اعلان کیا کہ باوجود ان حملوں کے جو ذات پات پر ہو رہے ہیں وہ زندہ رہیگی۔ (پرتاپ ۸ اکتوبر)

کیا اچھوت مطمئن ہو جائینگے

قطع نظر اس سے کہ مالوی جی کا یہ اعلان ان کے اس وقت کے اعلان سے کہاں تک مطابقت رکھتا ہے۔ جو انہوں نے اچھوتوں کو اپنے دام میں پھنسانے کے لئے کیا تھا۔ سوال یہ ہے۔ کہ کیا اچھوت

مورتیوں کو دیکھ لینے۔ کنوؤں سے پانی بھر لینے۔ اور سڑکوں پر چلنے کی اجازت مل جانے سے مطمئن ہو جائیں گے۔ اور وہ سمجھ لینگے۔ کہ ہندوؤں نے انہیں گلے لگا لیا ہے۔ اپنے مساوی قرار دے دیا ہے۔ اور اب ان کے لئے اپنے آپ کو ہندو قوم کا جزو سمجھنے میں کوئی روک باقی نہیں۔

پرتاپ کی رائے

اس کے لئے ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ ہندو اخبارات کی رائے ہی سن لیجئے۔ "پرتاپ" لکھتا ہے۔

"اگر پنڈت جی کی بات پر عمل کیا جائے۔ تو وہ لوگ جو اس وقت اچھوت کہلاتے ہیں۔ روٹی بیٹی کے لحاظ سے کبھی بھی اس قابل نہ ہو سکیں گے۔ کہ کسی اعلےٰ ذات کے ہندو کے ساتھ تعلق پیدا کر سکیں دوسرے معنوں میں جنم کی لعنت ہمیشہ ان کے سر پر سوار رہیگی۔ چاہے اس لعنت کو دُور کرنے کے لئے وہ کتنے بھی اپائے کیوں نہ کریں۔ ذات کو مبنی بر پیدائش قرار دینے میں کتنا ظلم ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ پنڈت جی نہیں لگا سکتے۔ اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ شاستر کا دھان یہی ہے میں مذہبی طور پر انہیں ان کی غلطی سمجھانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ انہیں پولیٹیکل میدان میں لے چلتا ہوں۔"

مذہبی دائرہ کی بجائے پولیٹیکل میدان

ان الفاظ سے جہاں یہ ظاہر ہے۔ کہ اتنے شور وشر کے بعد اچھوتوں کو جو کچھ دینے کا دعویٰ کیا جا رہا ہے۔ وہ قطعًا ان کے درد کی دوا اور ان کی ذلت و ادبار کو دُور کرنے کا باعث نہیں بن سکتا۔ وہاں یہ بھی نمایاں ہے۔ کہ مذہبی لحاظ سے کسی ہندو کے لئے قطعًا گنجائش نہیں ہے کہ اس میں ذرا بھی چون وچرا کر سکے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اخبار "پرتاپ" مالویہ جی کو مذہبی دائرہ میں نہیں۔ بلکہ "پولیٹیکل میدان" میں کھینچکر لیجانا چاہتا ہے۔ گویا جو لوگ اپنے مذہب کی بناء پر اچھوتوں کو موجودہ حالت میں رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ بالکل حق بجانب ہیں۔

ان لوگوں کی اب بھی جو کچھ حالت ہے۔ وہ پرتاپ ہی کے الفاظ میں یہ ہے۔ کہ

"ہندوؤں کے اندر ایک قدامت پسند طبقہ ایسا ہے۔ جو اس وقت بھی پرانے طریقوں پر مُصر ہے۔ مہاتما جی کے برت کے سامنے وہ دب گیا تھا۔ لیکن وہ قائل نہیں ہوا۔ کہ ہمارے اچھوت بھائی انسانیت کے سلوک کے مستحق ہیں۔"

مذہب پرست ہندوؤں کا اثر

یہ خیال رکھنے والے ہندوؤں کو کس قدر طاقت اور اثر حاصل ہے۔ اس کا ذکر بھی پرتاپ نے خود ہی کیا ہے۔ لکھتا ہے۔

"ہندوستان کے قدامت پسند طبقے کو چھوڑ دو۔ لیکن باقی ہندوستان کا دماغ اس بات کا قائل ہو چکا ہے۔ کہ اچھوت پن آریہ دھرم اور آریہ جاتی کے خوشنما دامن پر ایک بدنما دھبہ ہے۔ لیکن باوجود اس کے وہ دُور ہونے میں نہیں آتا۔ مہاتما گاندھی نے اپنی زندگی کو خطرہ میں ڈال کر ہمارے کمزور جسم میں اس طاقت کا انجکشن کرنا چاہا۔ لیکن یہ کہنا مشکل ہے۔ کہ اس انجکشن کا اثر مستقل رہے گا۔"

اچھوت اقوام کا مستقبل

اب غور کیجئے۔ کہاں تو ہندوؤں کے وہ وعدے جو آج سے چند ہی روز قبل اچھوتوں کے متعلق ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کئے جا رہے تھے۔ اور کہاں اب یہ حالت۔ کہ اچھوتوں کو انسانیت کے سلوک کا مستحق نہ سمجھنے والوں اور ہمیشہ انسانیت کے درجہ سے محروم رکھنے والوں کے خوف سے ہندو دُنیا کانپ رہی ہے۔ مالوی جی ایسے لیڈر اچھوتوں کے لئے پہلی ہی حد بندیاں ضروری بتا رہے ہیں۔ ہندوؤں میں یہ چند ہی روز میں پیدا ہو جانے والا تغیر بتا سکتا ہے۔ کہ ان کی وجہ سے اچھوت اقوام کا مستقبل کس قدر تیرہ و تار ہے۔ اور اس تیرگی سے اس وقت تک ان کا نکلنا محال ہے۔ جب تک وہ ہندوؤں کو اپنے متعلق بالکل مایوس نہ کر دینگے۔

یوم التبلیغ کے مقابلہ میں "زمیندار" کو غضبناک ناکامی

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ نے جماعت احمدیہ کے لئے ۱۰ اکتوبر کو یوم التبلیغ مقرر فرمایا۔ اس کا اعلان ہوتے ہی "زمیندار" نے مخالفت میں ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے۔ اور مسلسل کئی دن تک چوکھٹے میں "یوم قادیان" منانے کا اعلان کرتا ہوا یہ تحریک کرتا رہا۔ کہ مسلمانانِ ہند اس تاریخ کو شاندار طریق پر یوم قادیان منائیں۔ اور ہر شہر۔ ہر قصبہ اور ہر بڑے موضع میں جلسہ کر کے قادیان کے ڈھول کا پول کھول دیں۔ علماء کرام سے خاص طور پر اپیل کی جاتی ہے۔ کہ وہ اس تحریک میں نمایاں حصہ لیں۔ اور حامل دین ہونے کی حیثیت سے۔ دین کی حفاظت اور مسلمانوں کو ارتداد و گمراہی سے بچانے کے لئے اپنی تمام امکانی کوششیں صرف کر دیں۔"

معلوم نہیں "زمیندار" کے آبرو باختہ فضول گو اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں۔ کہ وہ تمام مسلمانانِ ہند کے لئے "ہر شہر۔ ہر قصبہ اور ہر بڑے موضع میں" جلسے کرنے کے احکام نافذ کرنے کی حماقت کے مرتکب ہوئے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی حکم دے دیا۔ کہ "ہر جگہ کے جلسہ کی کارروائی اخبارات کو بھیجی جائے"۔ آخر نتیجہ کیا ہوا۔ یہ کہ اور تو اور خود لاہور میں جہاں زمیندار اور ان کے حامی موجود تھے۔ جو جلسہ کیا گیا۔ وہ ان لوگوں کی ناکامی اور نامرادی کی منہ بولتی تصویر پیش کر رہا تھا۔ اول تو کسی شریف انسان نے اس جلسہ کی صدارت ہی منظور نہ کی۔ "زمیندار" کو اپنے گھر کے آقا مولوی ظفر علی کو صدر بنانا پڑا۔ پھر تقریر کرنے کے لئے کوئی بااثر آدمی نہ مل سکا۔ اس وجہ سے یہ گلے پڑا ڈھول بھی خود مولوی ظفر علی کو ہی بجانا پڑا۔ اور انہوں نے دم لے لیکر تین بار تقریر کی۔ حاضرین جلسہ کی تعداد کے متعلق ہمارے ایک نامہ نگار نے حلفیہ لکھا ہے۔ کہ ہزار ڈیڑھ ہزار سے زیادہ نہ تھے۔ اور خود مولوی ظفر علی نے حاضرین کی کمی کا رونا روتے ہوئے کہا تم لوگ تو سارے ہزار ڈیڑھ ہزار بھی نہیں۔ میرا خیال تو یہ تھا۔ کہ آج ۵۰ یا ساٹھ ہزار نہیں۔ بلکہ لاکھ دو لاکھ آدمی یہاں سے باغ کے اس سرے تک ہونگے۔ لیکن "زمیندار" میں پندرہ ہزار تعداد لکھکر اپنی ناکامی و نامرادی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

غرض اس بے ہودہ تحریک میں نہ صرف باہر بلکہ لاہور میں بھی "زمیندار" اور اس کے آقا ظفر علی کو ایسی ندامت اٹھانی پڑی ہے۔ کہ اگر اس میں شرم و حیا کا کچھ بھی مادہ ہے۔ تو تمام عمر یاد رکھیگا اس نے دیکھ لیا۔ کہ ایڑی سے لیکر چوٹی تک کا زور لگا دینے اور اپنے علماء سے اپنی تمام امکانی کوششیں صرف کرا دینے کے باوجود وہ ایک آدھ جگہ ناکام جلسے کرانے کے سوا کچھ نہ کر سکا۔ اور اس طرح ایک ذرہ بھر بھی تبلیغ احمدیت میں روک نہ پیدا کر سکا۔ کیونکہ اس دن ہر احمدی فردًا فردًا تبلیغ کرنے پر مامور تھا۔ اور اس پر کسی جلسہ کا کوئی اثر نہ پڑ سکتا تھا۔ اس کی بجائے "زمیندار" کی چیخ و پکار نے کئی لوگوں کو تحقیق کی طرف متوجہ کر دیا۔ اور انہوں نے احمدیت کی باتیں نہایت توجہ اور غور سے سنیں۔

گاندھی جی کی رہائی کے متعلق حکومت کا بیان

فاقہ کشی کے ایام میں گاندھی جی کو حکومت نے جو رعائتیں دیں۔ ان کی بناء پر گاندھی پرستوں نے سمجھ لیا۔ کہ انہیں اب رہا بھی کر دیا جائیگا۔ فاقہ کشی ترک کر دینے پر جب حکام نے رعائتیں واپس لے لیں۔ تو یہ ہندو بہت جز بز ہوئے۔ اور بعض لیڈروں نے وائسرائے ہند سے بذریعہ تار درخواست کی۔ کہ گاندھی جی کو رہا کر دیا جائے۔ انہی میں سے ایک سر سوامی آئر بھی ہیں۔ اگرچہ اس قسم کے تاروں میں حکومت کو یقین دلانے کی کوشش کی گئی۔ کہ گاندھی جی کی سرگرمیاں حکومت کے لئے مضر نہیں بلکہ مفید ہونگی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ حکومت مطمئن نہیں ہو سکی اور وائسرائے کے پرائیویٹ سکرٹری نے سر سوامی آئر کو جو جواب دیا ہے اس میں صاف طور پر بتا دیا ہے۔ کہ "گورنمنٹ کی پوزیشن ۲۹ اپریل کو وزیر ہند نے ہوس آف کامنز میں ایک بیان کے دوران میں پورے طور سے واضح کر دی تھی۔ انہوں نے کہا تھا۔ کہ سول نافرمانی کے ساتھ تعلق رکھنے والے کسی شخص کے ساتھ تعاون کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہر ایک شخص کو یہ سمجھ لینا چاہئے۔ کہ گاندھی جی جب چاہیں سول نافرمانی کی تحریک سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کر کے رہا ہو سکتے ہیں۔"

اگر گاندھی جی رہا ہو کر فی الواقعہ حکومت کیلئے مفید کام کرنا چاہتے ہیں۔ تو پھر سول نافرمانی کی تحریک سے بے تعلقی کا اظہار کرنا کونسی مشکل بات ہے۔ اور اگر حالات کی رفتار یہی رہی۔ تو کوئی تعجب نہیں۔ گاندھی جی کسی نہ کسی بہانہ جیل سے نکل آنے میں کامیاب ہو جائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ

اسی دُنیا میں جنّت حاصل کرنیکی کوشش کرو

حقیقی قربانیوں کے ذریعہ حقیقی جنّت حاصل ہوتی ہے!

از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہٖ العزیز

فرمودہ ۲۳ ستمبر ۱۹۳۲ء بمقام ڈلہوزی

(نوشتہ میاں عبد المنان صاحب عمر)

تشہد اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔
انسان کے لئے اللہ تعالےٰ نے جو حقیقی مقام تجویز کیا ہے۔ وہ جنّت کا مقام ہے۔ لیکن عام طور پر اکثر لوگ

جنّت کی حقیقت

سے ناواقف اور جاہل ہوتے ہیں۔ بلکہ اس وقت تو اسلام کے سوا دنیا کے تمام مذاہب اس بات پر متفق ہو گئے ہیں۔ کہ جنت مرنے کے بعد حاصل ہونے والی کوئی چیز ہے۔ گو اسلام نے اسکی پرزور تردید کی ہے۔ تاہم مسلمانوں میں سے بھی بعض اس عقیدہ کے ہو گئے ہیں۔ کہ جنت مرنے کے بعد ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ انسان پر

ماحول کا اثر

ہوتا ہے۔ اور مسلمانوں کے چاروں طرف چونکہ اس خیال کے لوگ تھے۔ اس لئے ان میں بھی ایسے لوگ پیدا ہو گئے۔ جن کا خیال ہے۔ کہ جنت کا اس دنیا کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ مرنے کے بعد ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ حالانکہ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انسان کے لئے جو جنت اور دوزخ تجویز کی گئی ہے۔ وہ اسے اسی دنیا میں ملنی شروع ہو جاتی ہے۔ اور دوسرے جہان میں جنت وہی حاصل کر سکیں گے۔ جو اسے یہاں لے چکے ہوں گے۔ اسی طرح جنہیں اس دنیا میں دوزخ نصیب ہوتی ہے۔ وہ اگلے جہان میں بھی دوزخ ہی میں جائیں گے چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ من کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الاٰخرۃ اعمیٰ۔ جنت اور دوزخ کے متعلق اس دنیا اور اگلے جہان کے تعلق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بہت سے لوگ اکثر فوائد سے محروم رہ جاتے ہیں اور کئی رنگ میں نقصان اٹھا لیتے ہیں جنت یا دوزخ ان کے بالکل قریب ہوتی ہے۔ لیکن وہ اسے دیکھ نہیں رہے ہوتے۔ ان کی مثال بالکل اس اندھے کی سی ہوتی ہے جس کے سامنے روپیہ پڑا ہو۔ لیکن وہ اسے نہ دیکھتے ہوئے چھوڑ کر ایک پیسہ مانگنے کے لئے آگے چلا جائے۔ یا اس کے راستہ میں نقصان دہ یا مضرت رساں کوئی چیز ہو۔ لیکن وہ اس سے بچنے کی کوشش نہ کرے۔ اسی طرح کئی انسان ایسے ہوتے ہیں۔ کہ جنت یا دوزخ ان کے پاس ہی ہوتی ہے۔ لیکن اپنی ناواقفیت کے سبب وہ اسے مرنے کے بعد ملنے والی چیز سمجھتے ہیں۔ حالانکہ

اگلے جہان کی جنّت

اس جہان کی جنت سے مختلف نہیں۔ وہاں اور یہاں کی جنت ایک ہی ہے۔ صرف شکل اور صورت میں فرق ہوگا۔

اس دنیا میں انسان کی جنّت

اس کے دل میں ہے۔ لیکن وہاں یہی دل کی جنت متمثل ہو کر باہر آجائے گی

ادنےٰ سے ادنےٰ مومن کے لئے

یہ انعام ہے۔ کہ اس کو ایسی جنت دی جائے گی۔ جو زمین و آسمان کے برابر ہو۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ اگر ایک شخص کو اتنی جنت مل جائے گی۔ تو باقی لوگ کہاں جائیں گے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی فرمایا ہے۔ کہ ادنےٰ سے ادنےٰ مومن کی یہ جزا ہے۔ کہ اسے زمین و آسمان سے بھی زیادہ وسعت رکھنے والی جنت ملے گی۔ قرآن مجید میں بھی اللہ تعالےٰ فرماتا ہے جنۃ عرضھا السمٰوات والارض۔ غرض ایسی جنت جس کی چوڑائی زمین و آسمان کے برابر ہو۔ پھر اس کے ساتھ ایسی تقسیم ہو۔ جو ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ ملے۔ وہ یقیناً ایک قابل اعتراض چیز ہے۔ لیکن جنت کے متعلق حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے احساسات کے مطابق بدلہ مل جائے گا۔ جنت ایک ہی ہوگی۔ سب اسی میں ہوں گے۔ لیکن ہر شخص یہی سمجھ رہا ہوگا۔ کہ یہ میری ہی ہے۔ اور میں ہی اکیلا اس کا مالک ہوں۔ کیونکہ جنت میں اگر دوئی کی صورت ہو۔ تو پھر خواہش باقی رہتی ہے۔ اور ہر شخص یہ خیال کرکے کہ دوسرے کی جنت ممکن ہے۔ میری جنت سے اعلیٰ ہو۔ یہ آرزو اور تمنا کرنے لگ جائے۔ کہ یہ مجھے مل جائے۔ اور اگر یہ خواہش پیدا ہو جائے۔ تو پھر تقسیم کیونکر ہوگی؟

غرض جنت

ایک ایسا مقام

ہے۔ جس کے متعلق ہر شخص یہ سمجھ رہا ہوگا۔ کہ یہ میرا ہی ہے۔ وہ مقام زید کا بھی ہوگا۔ اور زید سمجھ رہا ہوگا کہ یہ صرف میرا ہی ہے وہ عمرو کا بھی ہوگا۔ اور عمرو سمجھ رہا ہوگا۔ اس کا صرف میں ہی مالک ہوں۔ وہی مقام خالد کا بھی ہوگا۔ اور وہ خیال کرے گا۔ کہ اس پر صرف میرا ہی قبضہ ہے۔ گو حقیقت یہ ہوگی۔ کہ سب کے سب ایک ہی جنت کے متعلق کہہ رہے ہوں گے۔ ہاں ہر شخص اپنی قابلیت اور استعداد کے مطابق نفع حاصل کرتا رہے گا۔

میں بتلا چکا ہوں۔ کہ جنت اس دنیا میں بھی ہے۔ اور دوسری دنیا میں بھی لیکن اگلی دنیا میں صرف انہی لوگوں کو ملیگی جو اسے اس دنیا میں حاصل کر چکے ہوں گے۔ مگر کئی انسان جنت کو

مرنے کے بعد

حاصل ہونے والی چیز سمجھ کر مرنے کے بعد اسے تلاش کر لینے کی امید رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی مثال بالکل اس شخص کی سی ہے۔ جو سمندر میں ڈوب رہا ہو۔ اس کے بالکل پاس ہی ایسی رسی ہو۔ جسے پکڑ کر وہ بچ سکتا ہو لیکن وہ اس پاس کی رسی کو تو نہ دیکھے۔ اور دس پندرہ گز کے فاصلہ پر پہنچ کر رسی کی تلاش کرنا چاہے۔ ایسا شخص یقیناً بچ نہیں سکیگا۔ اور انجام کار ڈوب جائے گا۔ مگر اس کا ڈوبنا اسی وجہ سے نہیں ہوگا۔ کہ نجات کا

سامان اور ذریعہ

اس کے پاس نہیں تھا۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہوگی۔ کہ باوجود سامان ہونے کے اس نے اس کو اس کی اصل اور حقیقی جگہ میں تلاش نہ کیا۔ بالکل اسی طرح اس شخص کی حالت ہوتی ہے۔ کہ جنت تو بالکل اس کے قریب ہوتی ہے۔ لیکن وہ اسے دور سمجھ کر وہاں تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس طرح بسا اوقات اس سے محروم رہ جاتا ہے ؛

جنت کے باوجود قریب ہونے کے اسے دور سمجھ لینے کی وجہ یہ ہوتی ہے۔ کہ ایسے لوگ

اعمالِ حسنہ

کو اور چیز سمجھتے ہیں۔ اور ان کے بدلہ کو دوسری چیز۔ لیکن قرآن مجید سے پتہ چلتا ہے۔ کہ اعمال اور ان کی جزاء ایک ہی چیز ہے۔ اگر یہ دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہوں۔ تو بالکل ممکن ہے۔ کہ بعض اوقات اعمال تو ہوں۔ لیکن جزا نہ ملے۔ یا جزاء تو مل جائے۔ اور اعمال موجود نہ ہوں۔ لیکن اگر اعمال اور ان کی جزا ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہو۔ تو اس کا یہ مطلب ہوگا۔ کہ ایک کی موجودگی ضرور دوسرے کے وجود کا باعث ہوتی ہے۔ اور دوسرا اپنے وجود کے لئے ضرور پہلے کی موجودگی چاہتا ہے ؛

پس ہمیشہ اس بات کو مدنظر رکھو کہ

انسان کے قلب کی نیکی

ہی اس کی جنت ہے۔ اور انسان کے قلب کی بدی ہی اس کے لئے دوزخ۔ اور اگلے جہان میں یہی قلبی کیفیتیں متمثل ہو جائیں گی ؛

جوں جوں انسان اپنے قلب کو لڑائیوں جھگڑوں بدیوں اور خرابیوں سے پاک کرتا چلا جاتا ہے۔ اس کی جنت اس کے قریب آ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ

جنت میں داخل

ہو جاتا ہے۔ اور جتنا جتنا اس کا دل نیکیوں خوبیوں بھلائیوں اور اخلاقِ فاضلہ سے دور ہوتا جاتا ہے۔ وہ دوزخ کو اپنے قریب لاتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ خود دوزخ میں گر جاتا ہے۔ دوجانے کی ضرورت نہیں

ایک گاؤں

کو ہی لے لو جہاں دس بیس گھر ہوں۔ نہیں چار یا پانچ ہی ہوں۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں۔ دو تین گھروں کا گاؤں ہو۔ میدانی علاقہ میں تو کوئی ایسا گاؤں ہوتا نہیں۔ شائد ان پہاڑوں میں مل جائے۔ اس میں رہنے والے کوئی سے دو آدمی لے لو۔ جو ایک جیسے گھر ایک جیسی آب و ہوا۔ ایک ہی ماحول ایک ہی قسم کی خوراک ایک ہی طرح کے لباس میں زندگی بسر کرنے والے ہوں۔ ان سے پوچھو۔ تمہاری کیا حالت ہے۔ ایک کہیگا۔

اللہ کا بڑا فضل اور احسان

ہے۔ بالکل آرام سے ہوں کوئی تکلیف نہیں۔ بڑے سکھ اور چین سے دن گذر رہے ہیں۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے لیکن

دوسرے کا جواب

اس سے بالکل مختلف ہوگا۔ وہ کہیگا۔ حال کیا پوچھ رہے ہو مر رہا ہوں۔ کوئی سکھ نہیں۔ مصیبت ہی مصیبت ہے کوئی دن چین سے نہیں کٹتا۔ دوزخ میں پڑا ہوں۔ ایک دن بھی تو آرام کا نہیں ملتا۔ بتلاؤ

یہ فرق کہاں سے آیا

کپڑوں سے چھت سے۔ مکان کی دیواروں سے۔ آب و ہوا سے خوراک سے۔ زمین و آسمان سے۔ سورج یا چاند سے۔ روپیہ پیسہ سے نہیں۔ ان چیزوں سے فرق نہیں پڑ سکتا۔ کیونکہ دونوں کو یہ سب ایک جیسی حاصل ہیں۔ جس قسم کے مکان میں پہلا رہتا ہے۔ ویسا ہی دوسرے کا مکان ہے۔ جس ہوا میں پہلا سانس لیتا ہے۔ اسی میں دوسرا بھی اپنے دن گزار رہا ہے۔ جو پہلا خوراک کھاتا ہے۔ وہی دوسرے کی غذا ہے۔ جس زمین میں پہلا چلتا پھرتا ہے۔ اسی پر دوسرے کے قدم پڑتے ہیں۔ جو سورج چاند پہلے کے لئے ہے۔ وہی دوسرے کو ملا ہوا ہے۔ جو پہلے کی آمد ہے۔ وہی دوسرے کی ہے۔ غرض جو آسائشیں پہلے کو میسر ہیں۔ دوسرا بھی انہی سے متمتع ہو رہا ہے۔ ان چیزوں کی وجہ سے تو دونوں کے جوابات میں فرق نہیں ہو سکتا۔ آخر یہ فرق کہاں سے پیدا ہوا۔ اس کے متعلق یاد رکھو۔ یہ

احساسات کا فرق

دل سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک نوعیت کے حالات میں رہ کر ایک کا دل آرام و راحت محسوس کر رہا ہوتا ہے۔ لیکن اسی قسم کے حالات میں دوسرا مصیبت و تکلیف کا احساس کر رہا ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح

ایک بیمار اور تندرست میں فرق

ہے۔ ایک بیمار خواہ کتنی ہی مزیدار چیز چکھے۔ اسے خراب پھیکی۔ بدمزہ کسیلی اور بدذائقہ ہی قرار دے گا۔ وہی چیز ایک دوسرے کے نزدیک نہایت اعلیٰ اور مزیدار ہوگی۔ اس وقت حقیقت معلوم کرنے کے لئے یہی کریں گے۔ کہ اس چیز کو کئی شخصوں کے سامنے رکھینگے۔ اگر ان میں سے سب یا اکثر یہ کہدیں۔ یہ اچھی اور ذائقہ دار ہے۔ تو اسے اچھا سمجھا جائے گا۔ اور بدذائقہ کہنے والے کو ہم بیمار کہیں گے۔ غرض

ظاہری مزے کا فرق

بھی انسان کے اندر ہی سے پیدا ہوتا ہے ؛

دنیا میں جو لوگ تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ اس کا بسا اوقات یہ سبب ہوتا ہے۔ کہ وہ

پیش آنے والے واقعات

کے متعلق اپنے دل میں ایک معیار قائم کر لیتے ہیں۔ لیکن جب اس معیار کے مطابق اپنے وقت پر معاملہ وقوع پذیر نہیں ہوتا۔ تو وہ تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ مثلاً کسی شخص کے متعلق یہ خیال کر لینا۔ کہ اسے میرے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیئے لیکن جب ان کی منشاء کے مطابق سلوک نہیں ہوگا۔ تو ناراضگی پیدا ہوگی۔ اور تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ اس طرح لوگ اپنے لئے آپ

تکلیف کا سامان

تیار کر لیتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں مدرسہ کی انجمن کی طرف سے حضرت خلیفہ اول غالباً اس کے صدر تھے کوئی کام ایک دوست کے سپرد کیا گیا۔ غالباً کوئی حساب کا ہی معاملہ تھا۔ بعد میں جب ان سے حساب طلب کیا گیا۔ اور کہا گیا کہ

آمد و خرچ کا حساب

دیجئے۔ تو وہ سخت ناراض ہوئے۔ اور کہنے لگے۔ میں مسلمان ہوں۔ اتنی بدظنی مجھ پر کیوں کی جاتی ہے۔ آخر میں کچھ کھا تو نہیں گیا۔ کہ مجھ سے حساب طلب کیا جاتا ہے۔ حالانکہ حساب میں کوئی خلاف قاعدہ اور خلاف قانون بات نہیں۔ بلکہ ایسی چیز ہے۔ جس کے بغیر دنیا کا کام نہیں چل سکتا۔ حتیٰ کہ قرآن مجید میں تو آتا ہے کہ

انبیاء سے بھی حساب لیا جائے گا

لیکن انہوں نے اپنے ذہن میں خیال کر لیا۔ کہ حساب طلب کرنا بہت بری بات ہے۔ اور جو مجھ سے حساب طلب کیا گیا ہے۔ ضرور اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ مجھ پر بدظنی کی گئی ہے۔ اس خیال کی وجہ سے انہیں تکلیف پہنچی۔ حالانکہ یہ کوئی تکلیف دہ بات نہ تھی لیکن ایک ایسا شخص جو یہ سمجھتا ہے۔ کہ حساب لینا کوئی بری بات نہیں۔ بلکہ ضروری چیز ہے۔ اس سے جب حساب طلب کیا جائے گا۔ اسے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ اور نہایت خوشی سے وہ حساب دیدیگا۔ بلکہ اگر اس سے حساب نہیں لیا جائے گا۔ تو اسے تکلیف ہوگی۔ غرض دیکھ لو ایک ہی بات ہے مگر ایک شخص کے لئے حساب کا دینا دوزخ ہے۔ دوسرے کے لئے حساب کا نہ دینا دوزخ۔ اسے دوزخ ہی کہا جائے گا۔ کہ دکھ اٹھا رہے ہیں تکلیف محسوس کر رہے ہیں۔ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہے ہیں

پھر یہی چیز ہم آئے دن

دوستوں کی مجالس

میں دیکھ سکتے ہیں۔ بسا اوقات یہ ہوتا ہے۔ کہ دو دوست ایک بات سنتے ہیں۔ ان میں سے ایک جب دوسرے موقع پر بیان کرتا ہے۔ تو کسی مقام پر دوسرا یہ کہدیتا ہے۔ کہ میرا تو یہ خیال نہیں۔ میں نے تو یہ نہیں سمجھا۔ اس پر اگر دوسرا یہ خیال کرے۔ کہ اس نے مجھے جھٹلایا ہے۔ اور مجھے کذاب سمجھا ہے۔ اور ناراض ہو۔ یا دل ہی دل میں کڑھے تو یہ اس کی حماقت ہوگی۔ کیونکہ بالکل ممکن ہے۔ کہ دوسرے کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہو۔ یا واقعی اس نے گفتگو کا وہ حصہ سنا ہی نہ ہو۔ بیسیوں توجیہیں ہو سکتی ہیں لیکن اگر کوئی سمجھے۔ کہ مجھے جھوٹا قرار دیا گیا ہے۔ تو گویا وہ خود اپنے لئے دوزخ تیار کرتا ہے۔

غرض انسان کے لئے جنت و دوزخ پیدا کرنا خود اس کے اختیار میں ہوتا ہے۔ چاہے تو وہ اپنے لئے دوزخ پیدا کرے اور چاہے تو جنت۔ جنت کے حاصل کرنے کے لئے قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے

اور یہ

"قربانیاں کرنے والے"

کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ بہتیرے لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جو قربانیاں تو کرتے نہیں۔ البتہ قربانیاں بنا لیا کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

ایک واقعہ

بیان فرمایا کرتے تھے۔ کہ ایک آدمی نے کسی شخص کی دعوت کی۔ اور اپنی طاقت کے مطابق اس کی تواضع میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ جب مہمان جانے لگا۔ تو اس سے معذرت کرنے لگا۔ کہ میری بیوی بیمار تھی۔ کچھ اور بھی مجبوریاں بتلائیں۔ اس لئے آپکی پوری طرح خاطر مدارت نہیں کر سکا۔ امید ہے۔ آپ درگزر فرمائیں گے۔ یہ سن کر مہمان کہنے لگا۔ میں جانتا ہوں۔ تم کس غرض سے کہہ رہے ہو۔ تمہارا منشاء یہ ہے۔ کہ میں تمہاری تعریف کروں۔ اور تمہارا احسان مانوں۔ لیکن تم مجھ سے یہ امید نہ رکھو۔ بلکہ تمہیں میرا احسان ماننا چاہیئے۔ میزبان نے کہا نہیں میرا ہرگز یہ منشاء نہیں۔ میں واقعی شرمسار ہوں۔ کہ پوری طرح آپ کی خدمت نہیں کر سکا۔ اگر آپ کا مجھ پر کوئی خاص احسان ہے۔ تو وہ بھی فرما دیجئے۔ میں اس کا بھی شکریہ ادا کر دوں۔ اس پر مہمان نے کہا۔ تم خواہ کچھ کہو۔ میں تمہارے دلی منشاء کو خوب جانتا ہوں۔ لیکن یاد رکھو۔ تم نے تو مجھے کھانا ہی کھلایا ہے۔ میرا تم پر بہت بڑا احسان ہے۔ تم ذرا اپنے کمرہ کو دیکھو۔ کئی ہزار کا سامان اس میں پڑا ہے۔ جب تم میرے لئے کھانا لینے اندر گئے تھے۔ میں چاہتا۔ تو دیا سلائی دکھا کر یہ سب کچھ جلا دیتا۔ تم ہی بتلاؤ۔ ایک پیسہ کا بھی سامان باقی رہ جاتا۔ مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ کیا میرا یہ احسان کم ہے۔ یہ سن کر میزبان نے کہا واقعی آپ نے بہت بڑا احسان کیا۔ میں اس کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

دیکھ لو ایک انسان ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ بجائے محسن کا احسان پہچاننے اور اس کا شکریہ ادا کرنے کے یہ سمجھتا ہے۔ کہ میں احسان کر رہا ہوں۔ خیر یہ تو ایک قصہ ہے۔ مگر اس قسم کی مثال

اسلامی تاریخ

سے بھی ملتی ہے۔ مکہ والوں کی انتہائی اذیتیں برداشت کرنے کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لے آئے اور مدینہ والوں نے آپ کو جگہ دی۔ تو اس وجہ سے بعض منافق آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنا احسان جتاتے اور کہتے۔ کہ دیکھو جب تمہارے وطن والوں نے تم کو نکال دیا۔ تو ہم نے اپنے پاس جگہ دی۔ حتیٰ کہ ایک موقعہ پر ناراض ہو کر

رئیس المنافقین

نے یہاں تک کہدیا۔ لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منھا الاذل (کہ اگر ہم مدینہ واپس پہنچے۔ تو وہاں کا سب سے معزز (عبد اللہ بن ابی بن سلول) وہاں کے سب سے ذلیل فرد (آنحضرت صلعم کی طرف اشارہ تھا) کو وہاں سے نکال دیگا۔ حالانکہ جگہ دینے والے یہ منافق نہیں تھے۔ بلکہ اور لوگ تھے۔ اور وہ ایسی باتوں سے بہت بالا تھے۔ بلکہ

جب مکہ فتح ہو گیا

اور دشمن تباہ و برباد ہو گئے۔ تو بعض لوگوں کو طبعاً یہ خیال پیدا ہوا کہ مکہ اب اپنے قبضہ میں آچکا ہے۔ کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصل وطن واپس نہ تشریف لے جائیں۔ اس خیال سے ہی ان کی کمریں ٹوٹ گئیں۔ اور وہ سخت پریشان ہو گئے۔ اگر وہ لوگ اپنا احسان جتانے والے ہوتے۔ تو خود جا کر کہتے۔ کہ حضرت ہم نے آپ کو اس وقت جگہ دی۔ جبکہ آپ کے لئے کہیں جگہ نہ تھی۔ آپ کے لئے ہم نے اب تک تکلیفیں اٹھائیں۔ اب آپ کا گھر آپ کے قبضہ میں آچکا ہے آپ وہاں تشریف لے جائیے۔ لیکن ایسی گفتگو کرنے کی بجائے وہ اس خیال سے ہی پریشان ہو جاتے ہیں کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کو چھوڑ کر مکہ چلے جانے کا ارادہ نہ فرمالیں۔ اور اضطراب کی حالت میں پوچھتے ہیں حضور مکہ میں ہی تشریف تو نہیں رکھیں گے۔ اس پر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ نہیں میرا گھر مدینہ میں ہے۔ میں مدینہ میں ہی جاؤنگا۔ یہاں نہیں رہوں گا۔ تب انہیں اطمینان آتا ہے۔ غرض جو قربانی کرنے والے تھے۔ انہیں تو یہ خیال تھا۔ کہ ہم پر یہ احسان ہوا ہے۔ کہ رسول اللہ ہمارے پاس ٹھہرے۔ اور واقعی یہ بہت بڑا

احسانِ الٰہی

تھا۔ کہ اتنے عظیم الشان نبی کی مہمانی کا انہیں شرف بخشا گیا۔ ورنہ اللہ تعالےٰ چاہتا۔ تو اپنے رسول کے قیام کے لئے سینکڑوں اسباب پیدا کر دیتا۔ لیکن جنہوں نے کوئی قربانی نہیں کی تھی۔ وہ احسان جتا رہے تھے۔ گویا

گھر کو آگ لگانے والے کی مثال

عبد اللہ بن ابی بن سلول کی مثال تھی۔ پھر کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو

تھوڑی سی قربانی

کر کے اسے بہت بڑھا لینا چاہتے ہیں چندے بھیجتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے بہت بڑا کام کیا۔ حالانکہ وہ نہیں دیکھتے۔ کہ اتنے بڑے بڑا کام کیا ان کے ہی چندے سے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگ بجائے اس کے کہ ممنون احسان ہوں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے انہیں

خدمتِ دین کا موقعہ

عطا فرمایا۔ الٹا اپنا احسان جتلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر کئی ایسے ہیں۔ جو

بڑی قربانیاں

کرتے ہیں۔ لیکن پھر منت واذیٰ کے ذریعہ انہیں ضائع کر دیتے ہیں ایسے لوگ بھی جنت میں نہیں ہوتے۔ بلکہ دوزخ میں پڑے رہتے ہیں۔ کیونکہ کام کرنے کے باوجود اس کے بدلہ سے محروم رہتے ہیں۔ دیکھو بعض لوگ تھے جنہوں نے حضرت مسیح موعود کی زندگی میں بڑی بڑی قربانیاں کیں۔ لیکن پھر ایک وقت ایسا آیا۔ کہ اپنی قربانیوں پر انہیں ناز شروع ہو گیا۔ ان کے بدلہ عوض میں

قوم کی سرداری اور لیڈری

کے خواہشمند ہوئے اور اس طرح خدا کے غضب کے نیچے آ گئے۔ ان کی مثال بالکل اس شخص کی سی ہے۔ جس نے ایک باغ لگایا اسکو سینچا۔ اس کی خبرگیری کی۔ مگر جب وہ باغ پھل دینے کے قابل ہوا۔ تو بجائے اس کا پھل کھانے کے انہوں نے اس کی لکڑیوں کو جمع کیا۔ اور جمع کر کے انہیں باغ کے گرد پھیلا کر آگ لگا دی۔ اس طرح نہ صرف یہ کہ اس کے پھل سے محروم رہے۔ بلکہ اس باغ کو بھی جلانے کی کوشش کی جسکی ایک وقت بڑی محنت اور جانفشانی سے انہوں نے آبیاری کی تھی۔ بعض اور لوگ ہیں جنہیں

ہر قسم کی قربانیاں کرنے کی توفیق

ملتی ہے۔ باوجود اس کے وہ اور خواہش کرتے ہیں۔ کہ انہیں قربانی کا موقعہ ملے۔ یہی لوگ

حقیقی جنت میں

ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کا دل ہمیشہ خدا تعالےٰ کی رضا سے خوش ہوتا رہتا ہے۔ اور کوئی تکلیف انہیں غمگین نہیں کر سکتی

ایک اور بات

بھی یاد رکھنی چاہیئے۔ اور وہ یہ کہ اچھے اعمال کے نتیجہ میں جنت ملتی ہے۔ اور

قلبی راحت

کا نام ہی جنت ہے۔ پس اگر کسی کو اپنے اعمال کے نتیجہ میں سرور نہیں حاصل ہوتا خوشی نہیں ملتی۔ آرام محسوس نہیں ہوتا۔ تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کی قربانی ضائع گئی۔ رسول کریم کے زمانہ میں اور آپ کے بعد

صحابہؓ کی بہت سی مثالیں

ایسی ملتی ہیں۔ جن پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے نزدیک قربانی کا مفہوم ہی اور تھا۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے لیکن اشارۃً۔ احادیث و سیر کی کتابوں کے مطالعہ سے اسکی وضاحت ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے منھم من قضیٰ نحبہ ومنھم من ینتظر۔ کہ صحابہ میں سے بعض تو اپنا فرض ادا کر چکے ہیں۔ اور بعض اس کے انتظار میں ہیں جب جنگ بدر ہوئی۔ تو بعض صحابہ اس میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ جسکی وجہ یہ تھی۔ کہ رسول کریمؐ نے اس جنگ کا اظہار نہیں کیا تھا۔ حالانکہ آپکو الہام ہو چکا تھا۔ بعض روایتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ روانگی سے پہلے آپکو علم نہیں تھا۔ بلکہ راستہ میں الہام کے ذریعہ علم دیا گیا۔ پہلے آپ کا صرف یہی خیال تھا۔ کہ یہ صرف دھکی ہے اور باقاعدہ جنگ کا ارادہ نہیں تھا۔ غرض اس جنگ میں سب صحابہ شریک نہ ہو سکے۔ لیکن جنگ کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لائے۔ تو جو صحابہ نہیں گئے تھے۔ انہیں اپنے محروم رہ جانے کا افسوس ہوا۔ ان میں سے

ایک صحابی کے متعلق

حدیثوں میں آتا ہے کہ وہ ایک مجلس بیٹھے تھے۔ جس میں جنگ بدر کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ اور شاملین جنگ کے کارنامے بیان ہو رہے تھے۔ کچھ دیر تو وہ صحابی خاموش رہے۔ آخر کہنے لگے۔ تم نے تو کچھ بھی نہ کیا میں ہوتا تو دشمن کے دانت کھٹے کر دیتا بظاہر یہ تکبر کا فقرہ تھا اور اس قسم کے دعویٰ سے بسا اوقات کہنے والے کے دل کو زنگ لگ جاتا ہے لیکن اس وقت انہوں نے پورے اخلاص سے یہ کہا۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ

عقیدت و اخلاص

سے ان کا دل اس قدر لبریز اور بھرا ہؤا تھا۔ کہ ان کے لئے ایسا کہنا جائز ہو گیا تھا۔ آخر انہی صحابی کو جب

جنگ احد

میں شامل ہونے کا موقعہ ملا۔ تو اس جنگ کی اس گھبراہٹ والی گھڑی میں جب کہ بہت سے جری اور بہادر دل توڑ رہے تھے۔ وہ صحابی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ جو اس وقت اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں لئے بیٹھے تھے۔ انہوں نے پوچھا۔ عمرؓ کیا ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اور کیا ہونا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے۔ یہ سن کر ان صحابی نے جو اس وقت ہاتھ میں لئے کھجوریں کھا رہے تھے۔ کہا پھر یہ رونے کا کونسا موقع ہے۔ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گئے ہیں۔ وہیں ہمیں بھی جانا چاہیئے اور کہا میرے اور رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان یہی کھجوریں حائل ہیں نا۔ اسی وقت باقی کی کھجوریں پھینک دیں اور تلوار لے کر دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ اور

نہایت شجاعت و مردانگی

سے تلوار چلاتے رہے۔ حتیٰ کہ ان کا ایک ہاتھ بیکار ہو گیا تو دوسرے میں تلوار پکڑ لی۔ اور برابر دشمن پر وار کرتے رہے۔ آخر وہ شہید ہو گئے۔ جنگ کے بعد جب ان کی لاش کو دیکھا گیا۔ تو اس پر ستر زخم پائے گئے۔

یہ قربانی

ایسی ہے کہ جس سے پتہ لگتا ہے۔ کہ اس کے کرنے والے کو یہ احساس ہی نہیں تھا۔ کہ میں کوئی قربانی کر رہا ہوں۔ اس وقت اس صحابی کو یہ خیال نہ آیا۔ کہ یہ

قربانی کا موقعہ

ہے اپنی جان کی قربانی دے دوں۔ بلکہ یہ خیال پیدا ہؤا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں نہیں ہیں۔ اس دنیا سے چلے گئے ہیں۔ ہمیں بھی آپ کے پاس پہنچ جانا چاہیئے

اسی طرح

ایک دوسرے صحابی

کے متعلق آتا ہے وہ مدینہ کے رئیس تھے۔ وہ ایک جنگ میں شریک ہوئے۔ ایک دوسرے صحابی بیان کرتے ہیں۔ کہ اثنائے جنگ میں میں ان کے پاس سے گذرا۔ تو دیکھا۔ کہ ان کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ چکی تھیں۔ زخموں سے نڈھال ہو رہے تھے۔ اور یہی معلوم ہوتا تھا۔ کہ چند منٹ کے مہمان ہیں۔ وہ صحابی بیان کرتے ہیں میں نے ان سے دریافت کیا آپ کا کیا حال ہے وہ کہنے لگے۔ مجھے یہ بتاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے۔ میں نے کہا بخیریت ہیں۔ وہ صحابی کہتے ہیں پھر میں نے ان سے کہا اس وقت میں آپ کی اور تو کوئی خدمت نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر اپنی بیوی بچوں یا دوسرے رشتہ داروں کو کوئی پیغام دینا ہو۔ تو بتا دیں میں پہنچا دوں گا۔ وہ کہنے لگے کہ میرے رشتہ داروں کو میری طرف سے کہہ دینا کہ مجھے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کا موقع نہیں ملا۔ لیکن یاد رکھو۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک امانت ہیں اور میں یہ امانت اب تمہارے سپرد کرتا ہوں اپنی جانوں سے بڑھ کر ان کی حفاظت کرنا۔ یہ کہہ کر انہوں نے جان دیدی۔

غرض یہ لوگ اس قسم کا نمونہ دنیا میں چھوڑ گئے ہیں جس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ انسان کس طرح

اسی دنیا میں جنت

حاصل کر سکتا ہے ایسے آدمی بیمار بھی ہوتے ہیں۔ انہیں دکھ درد بھی پہنچتا ہے۔ دنیاوی نقصان بھی ہوتے ہیں۔ لیکن ان بے حقیقت اور معمولی باتوں سے وہ اندوہگیں نہیں ہوتے بلکہ وہی باتیں جو دوسروں کے لئے مصیبتیں ہوتی ہیں ان کے لئے سکھ کا باعث ہو جاتی ہیں احد کی جنگ کے ذکر ہی میں

ایک اور صحابی

کے متعلق آتا ہے کہ تیروں کی بوچھاڑ دیکھ کر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دئے تاکہ آپ کو کوئی تیر نہ لگ جائے۔ تیروں کے سامنے اپنے ہاتھ رکھنے کی وجہ سے ان کا ہاتھ شل ہو گیا۔ لیکن انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے اپنا ہاتھ ہٹا لینا گوارا نہ کیا۔

ایک دوسرے صحابی

کے متعلق مذکور ہے کہ وہ اپنی کمر تیروں کی طرف کئے رہے۔ اور اف تک نہ کی۔ حالانکہ تیر پہ تیر پڑ رہے تھے۔ جنگ کے بعد کسی نے ان سے دریافت کیا۔ دریافت کرنے والے غالباً ان کے بیٹے تھے۔ کہ کیا آپ کو اس وقت تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ انہوں نے کہا تکلیف تو ہوتی تھی۔ لیکن میں اس خیال سے اف بھی نہیں کرتا تھا۔ کہ مبادا اس طرح میری کمر ہل جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کوئی تیر پہنچ جائے۔

اس قسم کی مثالیں

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ

میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اور پائی جاتی رہی ہیں۔ مثلاً

افغانستان کے شہیدوں

کو ہی لے لو۔ ان میں سے قریباً ہر ایک کو موقعہ دیا گیا۔ کہ وہ احمدیت کو چھوڑ کر اپنے کو اس مصیبت سے بچا لے۔ لیکن ان میں سے ہر ایک نے انکار کر دیا۔ اور صاف کہہ دیا۔ میں اپنے دین سے نہیں پھر سکتا۔

صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب

کے متعلق ایک غیر مذہب اور غیر ملک کا یعنی ایک اٹیلین لکھتا ہے کہ وہ اس وقت بھی جبکہ ان پر پتھر پڑ رہے تھے بڑے الحاح وزاری سے دعائیں مانگ رہے تھے۔ کہ اے اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو معاف کر دے کہ یہ ناواقفیت کی وجہ سے ایسا کر رہے ہیں ایک اور شخص نے

نعمت اللہ خان صاحب

کے متعلق بیان کیا کہ انہوں نے زندگی کے آخری لمحے دعا کرتے ہوئے گزارے دنیا داروں کی نگاہ میں انہیں پتھر پڑ رہے تھے لیکن ان کا دل یہ محسوس کر رہا تھا۔ کہ گویا پھول گر رہے ہیں۔

غرض جس وقت انسان کے دل کے اندر

حقیقی ایمان

پیدا ہو جاتا ہے تو اس کے لئے دنیاوی تکلیفیں ہی نہیں رہتیں اور جب ان تکلیف میں نہ رہے تو یہی جنت ہے۔

دنیا میں ہر انسان نے

ایک نہ ایک دن مرنا ہے

آج نہیں تو کل کل نہیں تو پرسوں۔ ضرور اسے جان دینی ہے آج تک دنیا میں کوئی ہمیشہ نہیں رہا۔ اور نہ آئندہ رہیگا۔ لیکن کیا ہی مبارک ہے وہ وجود۔ جو دین کے لئے اپنی جان دیتا ہے۔ کہ ہمیشہ کے لئے اس دنیا میں بھی اس کا نام باقی رہتا ہے اور کہا جاتا ہے۔ فلاں وہ ہے جس نے کسی ذاتی غرض کے لئے نہیں بلکہ اپنے ایمان کی حفاظت میں اپنی جان دیدی۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور جو اس کے لئے انعامات ہیں انکی تو کوئی انتہا ہی نہیں کہا جا سکتا ہے کہ بے شک مرنا تو ہر ایک کو ہے لیکن جنگ میں یعنی جہاد کے لئے نکلے۔ تو انسان نوجوانی میں

ہی مرجاتا ہے۔ میں کہتا ہوں مرجاتا ہے تو پھر کیا ہوا۔ درحقیقت اس کے لئے

مرنا زندگی ہے

لیکن یہ بھی غلط ہے کہ نوجوانی کی موت کا سبب صرف جنگ ہی ہے بلکہ اگر بیماری کی وجہ سے مرنے والوں کے اعداد و شمار پر غور کیا جائے۔ تو معلوم ہوگا کہ فوے فیصدی مرنے والے وہ ہوتے ہیں جو

جوانی کی موت

مرتے اور اس دنیا سے گزر جاتے ہیں۔ غرض جب موت سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا۔ اور کسی نہ کسی بہانہ سے انسان دنیا سے کوچ کر جاتا ہے۔ تو کیوں نہ انسان

عزت کی موت

کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو۔ اسی طرح

مال و دولت

کا حال ہے۔ اس میں نقصان ہوتا رہتا ہے چور لے جاتے ہیں۔ گھر میں کوئی بیمار ہو جائے تو ڈاکٹروں اور دوائیوں پر بہت سا روپیہ اٹھ جاتا ہے۔ لیکن اگر اس مال کو دین کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ اور برضا و رغبت دین کے لئے مالی قربانیاں کی جائیں۔ تو نتیجۃً انسان بہت زیادہ نفع میں رہتا ہے۔

پرسوں ہی

ایک دوست کا خط

آیا۔ میں نے دیکھا کہ خط بہت ہی اخلاص سے لکھا ہوا تھا اس میں وہ لکھتے ہیں آپ کہتے ہیں بشاشت سے چندے دو۔ ہمیں وہ روحانی بشاشت کہاں سے حاصل ہو سکتی ہے۔ جب کہ ہمیں پیٹ کھانے کے لئے مل جاتا ہے۔ پھر چندے دیتے ہیں۔ چندہ تو ان کا ہے جن کے پاس کھانے کو بھی نہیں ہوتا لیکن وہ چندہ بھیجتے ہیں۔ اصل بشاشت بھی انہی کو حاصل ہے۔

مجھے ہمیشہ ایک واقعہ یاد رہتا ہے۔

منشی اروڑا صاحب

جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد مستقل طور پر قادیان میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ ایک دفعہ انہوں نے مجھے دو یا تین پاؤنڈ دیئے اور کہا کہ اماں جان (حضرت ام المومنین) کو دیدیں۔ اس کے ساتھ ہی رو پڑے یہ واقعہ حضرت صاحب کی وفات کے بعد کا ہے میں نے خیال کیا کہ شاید حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کی یاد سے رو رہے ہیں۔ آخر خوب دیر تک روتے رہے اور ان کی ہچکی بندھ گئی۔ تو میں نے رونے کے لئے

کہا۔ آپ روتے کیوں ہیں؟ کہنے لگے جب میں نے بیعت کی۔ میں چھ یا سات روپیہ کا نوکر تھا۔ اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چندہ کی تحریک کی۔ اس وقت اپنی اسی تنخواہ میں سے بچا کر جب قادیان آتا۔ تو وہ تھوڑی سی رقم ساتھ لے آتا۔ تا وہ دین کی راہ میں خرچ ہو۔ لیکن میری خواہش ہمیشہ یہ ہوتی۔ کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں

سونے کی مُہریں

پیش کروں اسی مقصد کے لئے میں اپنی تنخواہ میں سے بچاتا رہتا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ مُہریں بننے کی مقدار کا ہو۔ بہت دیر ہو جاتی اور میں وہی روپے لے کر قادیان میں آجاتا اس طرح مجھے اپنی خواہش کو پورا کرنے کا کبھی موقعہ میسر نہ آیا اب میں اس قابل ہوا کہ مُہریں پیش کروں اس وقت ان کی تنخواہ اسی پچاسی کے قریب تھی۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت ہو گئے ہیں

غرض ایک وہ لوگ ہوتے ہیں جو قربانی کرتے ہی نہیں یا معمولی قربانی کر کے شکوہ سنج ہوتے ہیں۔ اور ایک ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ

اگلی قربانیاں

کرکے بھی یہ شکوہ ہوتا ہے۔ کہ قربانی کا موقعہ نہیں ملا۔ یا جو ملا ہے۔ وہ بہت کم ہے۔ غرض یہ لوگ قربانیاں کرتے ہیں اور اسی میں راحت محسوس کرتے ہیں۔ اسی میں ان کو سرور اور لطف حاصل ہوتا ہے۔ اور میرے نزدیک یہی چیز ہے جس کا نام جنت ہے بتلاؤ

وہ شخص

بھی کبھی تکلیف میں ہو سکتا ہے جس کا کوئی مالی نقصان ہو۔ جسے کوئی بدنی تکلیف پہنچے۔ جس کے رشتہ داروں میں سے کوئی فوت ہو جائے۔ لیکن وہ ان سب مواقع پر صبر کرے۔ اور دلی یقین سے یہ سمجھے۔ کہ خدا کی چیز تھی۔ اسی نے لے لی۔ ایسے شخص کو رنج دلانے والی کونسی چیز ہو سکتی ہے۔

عبداللہ بن مظعون رضؓ

سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت پیار تھا۔ جب آپ کا بچہ ابراہیم فوت ہوا۔ تو اس وقت آپ نے فرمایا۔ جاؤ عبداللہ بن مظعون کے پاس ان کے متعلق احادیث میں آتا ہے۔ کہ جب ہمیں اسلام کی وجہ سے کفار کی طرف سے بہت تکلیفیں دی گئیں۔ تو وہ ہجرت کر گئے۔ راستہ میں انہیں ابن طفیل ملے۔ اور جب یہ معلوم ہوا کہ عبداللہؓ کفار کی مصیبتوں کی وجہ سے مکہ چھوڑ رہے ہیں تو چونکہ پرانے تعلقات تھے انہوں نے کہا۔ تم ہجرت نہ کرو۔ میں تمہیں اپنی حفاظت میں لیتا ہوں۔ پھر تمہیں کوئی تنگ

نہیں کریگا۔ چنانچہ اس وعدہ پر وہ انہیں واپس لے آئے جب عبداللہ بن مظعون واپس مکہ پہنچے۔ تو انہوں نے دیکھا کہ

دوسرے مسلمان بھائی

کفار کی طرف سے سخت تکالیف میں ہیں۔ لیکن انہیں ابن طفیل کی حفاظت میں ہونے کی وجہ سے کوئی کچھ نہ کہتا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر وہ برداشت نہ کر سکے اور ابن طفیل سے جا کر کہا یہ مجھ سے نہیں دیکھا جاتا۔ کہ میرے دوسرے مسلمان بھائیوں کو تو مصیبتیں آئیں۔ اور میں مزے سے پھرتا رہوں۔ یہ کہہ کر اس کی ضمان واپس کر دی۔ تواریخ میں آتا ہے اس کے بعد وہ

ایک مجلس میں

پہنچے۔ جہاں ایک مشہور شاعر اپنا کلام سنا رہا تھا۔ یہ شاعر بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ شاعر نے پڑھا ؎

الا کل شیء ما خلا اللہ باطل

اسی کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تعریف فرمائی ہے۔ جب عبداللہ بن مظعون نے یہ سنا تو کہنے لگے۔ ٹھیک کہا ٹھیک کہا شاعر بہت بڑے پایہ کا تھا۔ اس کو ایک

بچہ کی تعریف

بھی ناگوار گذری اور اس نے مجلس کو مخاطب کر کے کہا۔ تمہارے شہر کے لونڈوں کو کوئی تمیز نہیں۔ کہ وہ سر مجلس بزرگوں کی ہتک کرتے ہیں اس پر لوگوں نے عبداللہ بن مظعون کو برا بھلا کہہ کر چپ کرا دیا اور شاعر سے معذرت کی پھر اس نے پڑھا۔

وکل نعیم لا محالۃ زائل

(یعنی ہر نعمت بہرحال محو اور زائل ہو جائیگی) عبداللہؓ نے کہا نہیں یہ درست نہیں۔ جنت کی نعمتیں ضائع نہیں ہونگی۔ پہلے تو ایک نوعمر کے منہ سے شاعر کو اپنی تعریف بھی گراں گذری تھی۔ مذمت سن کر تو وہ برداشت نہ کر سکا اور کہہ اٹھا ایسے

بدتمیزوں کی مجلس

میں میں اب اپنا کلام نہیں سناؤنگا شاعر کی ناراضگی نے مجلس میں بھی جوش و غضب کی لہر پیدا کر دی۔ اور کسی شخص نے مکہ مار کر عبداللہ کی ایک آنکھ نکال دی۔ اس وقت کہا گیا۔ دیکھا میں نہ کہتا تھا میری حفاظت سے نہ نکلو میری پناہ چھوڑی تو یہ حال ہوا۔ کہ اپنی آنکھ نکلوائی۔ عبداللہؓ نے کہا تمہاری پناہ کیسی میری تو دوسری آنکھ بھی دین کی راہ میں اسی بات کی انتظار کر رہی ہے۔ اب دیکھو آنکھ کا نکلنا ایک دنیادار کی نگاہ میں مصیبت اور تکلیف کا موجب ہے لیکن ایک دیندار کے نزدیک اسی میں راحت ہے پھر انسان

اولاد

کو باعث راحت سمجھتا ہے لیکن اسے کیا معلوم کہ یہی اولاد اس کے لئے گل

کہ اور وبال کا موجب ہو جائیگی۔ ابوجہل کے ماں باپ نے اسکی پیدائش پر کتنی خوشیاں منائی ہونگی لیکن اس کے اعمال کو معلوم کر کے اسکے نتائج جو شاید جنت میں ہی ہو۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے فوت ہو چکا تھا۔ کتنی تکلیف ہوئی ہوگی۔ اور اس کی ماں کی کتنی زبردست خواہش ہوگی۔ کہ کاش میں ایسا بچہ نہ ہی جنتی۔ یا پیدائش کے بعد اسے زندہ درگور کر دیتی۔ دنیا کی دوسری چیزوں کا بھی یہی حال ہے اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کے متعلق یقینی طور پر انسان کہہ سکے کہ یہ میرے لئے سکھ کا موجب ہے۔ ہاں

حقیقی قربانی

ایک ایسی چیز ہے جو حقیقی مسرت دلا سکتی ہے اور حقیقی جنت یہی ہے کہ انسان اس بات کو سمجھ لے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قربانی کرنے سے ہی آرام اور سرور حاصل ہو سکتا ہے۔ اور پھر یہ سمجھنے کے بعد اس پر عمل پیرا بھی ہو جائے۔ اس کے خلاف کا نام دوزخ ہے اور یہ جنت اور دوزخ بنانا انسان کے اپنے اختیار میں ہے۔ جو شخص اپنے لئے جنت پیدا نہیں کرتا۔ وہ خود اپنا نقصان کرتا ہے اور جتنا کوئی دنیا سے محبت کریگا۔ اور

دنیاوی زندگی

کی زیبائش کو اپنے لئے موجب مسرت بنائیگا۔ اتنا ہی وہ اپنے لئے دوزخ تیار کریگا۔ کیونکہ جب کوئی رشتہ دار فوت ہوگا۔ اسکے لئے دوزخ۔ جب بیوی بچوں کو بیماری یا تکلیف ہوگی اسکے لئے دوزخ۔ مال کا نقصان ہوگا۔ تو اس کے لئے دوزخ غرض

ہر دنیاوی نقصان دوزخ

کا سامان ہوگا۔ لیکن جو شخص خدا کے لئے آپ ان چیزوں کی قربانی کے لئے تیار ہوگا اس کے لئے کوئی تکلیف نہیں اس کا مال ضائع ہوگا تو وہ یہی کہیگا۔ خدا نے دیا تھا۔ اسی نے لیا۔ ورنہ میں تو خود اسے دینے کے لئے تیار تھا۔ لڑکی یا لڑکا فوت ہوگا کسی رشتہ دار کو تکلیف ہوگی۔ غرض ہر دنیاوی نقصان پر اس کے منہ سے یہی نکلے گا۔ اور وہ

ہر آن جنت میں

ہوگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبارک احمد سے بہت محبت تھی۔ جب

مبارک احمد

بیمار ہوا۔ تو دوائی وغیرہ میں ہی پلایا کرتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ آخری وقت میں حضرت مولوی صاحب رضی اللہ عنہ جو بڑے حوصلہ اور قوی دل کے انسان تھے اور سخت سے سخت گھبراہٹ کے موقعوں پر بھی گھبرایا نہیں کرتے تھے۔ وہ بھی گھبرا گئے۔ انہوں نے نبض پر ہاتھ رکھا تو چھوٹ چکی تھی۔ انہوں نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا حضور کستوری لائیے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چابی لے کر قفل کھول ہی رہے تھے کہ مبارک فوت ہو گیا یہ دیکھ کر حضرت مولوی صاحب یکدم گر گئے۔ میں نے دیکھا وہ سخت گھبراہٹ میں تھے انہیں زیادہ خیال یہ تھا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبارک احمد سے بہت محبت ہے۔ اسکی وفات کی وجہ سے انہیں شدید صدمہ ہوگا لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب یہ سنا کہ مبارک فوت ہو گیا ہے تو آپ کاغذ قلم دوات لے کر بیٹھ گئے۔ اور چند خط لکھ کر دئے کہ ڈاک میں ڈالدو۔ ان خطوں میں مضمون یہ تھا کہ مبارک احمد فوت ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی دین تھی۔ اس نے لی۔ رنج و فکر کی بات نہیں۔

اللہ کی رضا پر

راضی رہنا چاہئے۔ غرض دوسروں کو صبر کی تلقین کے خطوط اسی وقت روانہ کئے اور یہاں کے لوگوں کو فرمایا بے شک مبارک احمد سے ہمیں بہت محبت تھی لیکن اللہ سے ہمیں محبت تھی کہ ہمیں خیال تھا بعض الہامات اسکی ذات سے پورے ہونے والے ہیں۔ غرض ایسے لوگوں کو کوئی تکلیف جسے دنیا تکلیف کہتی ہے۔ کبھی ہوتی ہی نہیں۔ پس دنیاوی نقصانات پر غمگین ہونا دنیا کی تکالیف پر دلگیر اور اندوہگین ہونا دنیا کی دوزخ ہے۔ لیکن خدا کی رضا پر راضی رہنا۔ دنیا کی تکالیف پر صبر کرنا۔ خدا کی راہ میں جان و مال غرض کہ ہر چیز کی برضا و رغبت قربانی کرنا دنیا کی جنت ہے یہ ایسی جنت ہے جو ہر شخص کے قبضہ میں ہے۔ جو چاہے لے لے۔ اور جو چاہے اسے رد کر کے اس دنیا اور اگلے جہان کی جنت سے محروم ہو جائے کیونکہ وہاں کی جنت کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے اور وہ جنت یہیں سے شروع ہو جاتی ہے اگلے جہان میں اسے وہی شخص حاصل کر سکیگا جو اسی دنیا میں سے ہیگا جو لوگ مرنے کے بعد جنت کو تلاش

مُفت! مُفت!! مُفت!!!

پیغامِ شفاء

مردوں اور عورتوں کے امراض وینیریا ئیریا - بواسیر ذیابیطس وغیرہ جو فی زمانہ ایک حد تک شدید اور مہلک ثابت ہو رہے ہیں - ان کے مستقل دفعیہ کی بالکل بے ضرر اور تیر بہدف ادویہ ہمارے دواخانہ پیغام شفاء میں موجود ہیں - معتبر اور زود اثر ہونے کی وجہ سے ہندوستان کے مشہور و معروف اطباء اور ڈاکٹروں کے مطب میں استعمال ہو رہی ہیں اطباء کی تصدیق اور ہر مرض کی تفصیل اور علامات فہرست ہذا میں درج ہے - جس کے مطالعہ کے بعد ہر ایک مریض اپنے مرض کے مطابق دوا خود تجویز کر سکتا ہے - اور ہم یہ ظاہر کرنا ضروری خیال کرتے ہیں کہ ہمارا معیار ایمانداری اور مخلوق خدا کو فائدہ پہنچانا ہے حسب ذیل پتہ پر ایک کارڈ تحریر فرما کر فہرست پیغام شفاء مُفت طلب کریں - بعد ملاحظہ ہمارے بیان کی تصدیق ہو جاویگی -

صحت خواہ

مینیجر دواخانہ پیغام شفاء فراشخانہ دہلی

انگریزی سیکھنے والوں کی خوش قسمتی

کا ایک تازہ ثبوت

جناب ملک مبارک احمد خانصاحب جنرل سکرٹری انجمن محبان اسلام پنجاب لاہور فرماتے ہیں

آپ نے جدید انگلش ٹیچر شائع کر کے ملک کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے اور انگریزی سیکھنے والوں پر احسان عظیم کیا ہے میں نے اپنی خالہ کو انگریزی پڑھانے کے لئے کئی نام نہاد انگلش ٹیچر خرید کر دیں مگر سب فضول اور رائگاں آپ کی انگلش ٹیچر سے وہ چھ ماہ کے اندر خاصی انگریزی سیکھ گئی ہیں "من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ" کے تحت بطور شکریہ عریضہ ہذا ارسال خدمت کر رہا ہوں - دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خدمت کے عوض آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے اور ملک کو اس سے کما حقہ مستفید ہونے کی توفیق بخشے -

قیمت صرف ڈیڑھ روپیہ علاوہ محصولڈاک - اگر یہ کتاب درحقیقت آپ کے لئے یا آپ کے لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے ایک گوہر بے بہا ثابت نہ ہو تو کل قیمت واپس منگوا لیں -

قمر برادرز (الف) شملہ

پیکو آرٹ پریس لاہور کی اسلامی مطبوعات میں سے

پنجسورہ شریف مترجم

موسومہ بہ

مطالبُ الفرقان فی ترجمۃُ القرآن

بھی چھپ کر تیار ہو گیا ہے - یہ ترجمہ نہایت صحیح، عام فہم اور سلیس مروجہ اُردو زبان میں خاص اہتمام سے کرایا گیا ہے جو ہر لحاظ سے موجودہ تمام تراجم سے بہترین مانا گیا ہے - جلد نہایت دیدہ زیب مضبوط اور ولایتی کپڑے کی تیار کی گئی ہے -

قسم اول ۱۲؍ — قسم دوم ۱۲؍

پیکو آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور

اپنا پتہ صاف لکھیں اور اخبار کا حوالہ ضرور دیں

اشتہار زیر دفعہ ۵ - رول ۲۰ مجموعہ ضابطہ دیوانی

بعدالت راجہ علی محمد خانصاحب افسر مال و اسسٹنٹ کلکٹر درجہ اول راولپنڈی

دعویٰ جوڈیشل نمبر ۵۸ سنہ ۳۱-۱۹۳۲ء

پہلوان ولد ... ساکن جرموٹ کلاں بنام فیض علی ولد ہاشم و غلام قادر ولد پیر بخش - ممتاز علی ولد محمد خاں ٹکا ولد سرور لعل ولد نواب خاں - عباس علی ولد بہادر قوم آوان سکنائے جرموٹ کلاں تحصیل گوجر خاں

دعویٰ بیدخلی

بنام :- مقدمہ مندرجہ بالا میں مسمی فیض علی وغیرہ مذکور تعمیل سمن سے دیدہ دانستہ گریز کرتے ہیں - اور روپوش ہیں اس لئے اشتہار ہذا بنام فیض علی وغیرہ مذکور جاری کیا جاتا ہے کہ اگر فیض علی وغیرہ مذکور تاریخ ۱۷/۲۲ ۱۹ سنہ ۱۹۳۲ء کو بمقام راولپنڈی حاضر عدالت ہذا میں نہیں ہونگے - تو ان کی نسبت کارروائی یکطرفہ عمل میں آویگی - آج بتاریخ ۱۹/۲۲ سنہ ۱۹۳۲ء بدستخط میرے اور مہر عدالت کے جاری ہوا -

مہر عدالت

فیض عام شربت فولاد!

عورتوں کی بیماریاں متعلقہ رحم کمی و بیشی حیض ناطاقتی ہسٹیریا اور اٹھرا کی بہترین دوا ہے -

قیمت فی شیشی پچاس خوراک عمر محصول ۱۱؍

کِنگ آف ٹانکس اگر آپ کا معدہ کمزور ہے بھوک نہیں لگتی - دودھ گھی ہضم نہیں ہوتا - دماغی یا اعصابی کمزوری ہے یا طاقت مردانہ کم ہے تو کنگ آف ٹانکس گولیاں استعمال کریں - انشاء اللہ مفید ثابت ہونگی،

ایک ماہ کی خوراک چھ روپے نصف ماہ تین روپے - محصولڈاک ۷؍

فیض عام منجن یہ ایک خوش رنگ، خوش ذائقہ - اور خوشبودار منجن ہے - دانتوں کی تمام بیماریوں کیلئے مفید ثابت ہو چکا ہے -

قیمت فی شیشی ... ... ۴؍

ملنے کا پتہ فیض عام میڈیکل ہال قادیان دارالامان

آفتابی ست سلاجیت

یہ وہ خاص دوائی ہے جو ہم نے اس سال بڑی محنت اور بصرف زر کثیر متعدد مرتبہ فلٹر کر کے آفتاب کی تپش سے تیار کی ہے - یہ وہ دوائی ہے جو دوسرے اشتہاری حکیم ایک روپیہ فی تولہ کے حساب سے فروخت کرتے ہیں - خواہشمند احباب بقدر ضرورت منگوا کر آزمالیں - قیمت درجہ اول فی تولہ چار آنہ - قسم دوم - دو آنے - تاجروں کے ساتھ رعایت

عبدالغفار عبدالغنی احمدی اینڈ سنز تاجران گلگت کشمیر

ضرورت رشتہ

میرے ایک مخلص احمدی دوست عمر ۲۶ سال او - ٹی - ٹرینڈ ۳۰-۲-۵۰-۵۵-۳-۷۰ کے گریڈ میں ملازم کے لئے ایسی لڑکی کا رشتہ درکار ہے جو مڈل پاس پابند صوم الصلوٰۃ - امور خانہ داری سے واقف اور عمدہ صورت سیرت والی ہو - خواہشمند احباب ذیل کے پتہ پر خط و کتابت کریں -

چودھری عبدالرحمٰن احمدی تبلیغی انسپکٹر لائل پور سشرقی

انگلش ٹیچر چک نمبر ۱۲۲ ج ب رام دیوالی براستہ جیک جمبرہ

ہندوستان اور ممالک غیر کی خبریں

بڈھلاڈا ضلع حصار کے متعلق سرکاری طور پر اعلان کیا گیا ہے کہ وہاں ذبح بقر کی بنا پر تین سکھ جاٹوں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا جس میں ۴ مسلمان ہلاک اور ۱۱ زخمی ہوئے۔ یہ واقعہ ۱۱ اکتوبر کی شام کا ہے۔ تین جاٹ سکھ جو قاتل بیان کئے جاتے ہیں مفرور ہیں۔ مقتولین میں عورتیں بھی شامل ہیں

فرنٹیئر لیجسلیٹو کونسل کے اجلاس منعقدہ ۱۲ اکتوبر میں فنانس ممبر نے بتایا کہ گورنمنٹ نے ایسی کوئی تجویز منظور نہیں کی کہ پولیٹیکل قیدیوں کی رہائی کے عام احکام جاری کئے جائیں۔ مگر اس پالیسی کے مطابق جو گورنمنٹ نے اس وقت تک اختیار کی ہوئی ہے وہ کسی خاص قیدی کے معاملہ پر جو اس بات کا اطمینان دلا دے کہ وہ آئندہ قابل اعتراض سیاسی سرگرمیوں میں حصہ نہ لے گا ہمدردانہ غور و خوض کرنے کو تیار ہے۔ اور اگر کانگرسی یا یوتھ لیگ کے لیڈر گورنمنٹ سے تعاون کا عہد کریں تو وہ ان کے تعاون کو خوش آمدید کہے گی

سائنس کے حیرت انگیز تجربات کے سلسلہ میں لنڈن کے مرکزی حصہ میں ۶ مقامات پر آلاتِ برقی قائم کئے جا رہے ہیں جن کے ذریعہ رات کے ۱۲ بجے سے ۸ بجے تک آٹھ گھنٹے فضائے آسمانی پر چیدہ چیدہ خبریں بجلی کے روشن حروف میں لکھی جایا کریں گی۔ جس طرح سینما میں ہوتا ہے اور لوگ گھروں میں بیٹھے پڑھ لیا کریں گے۔ اس کا نام نائٹ سکائی ٹیلی گراف رکھا گیا ہے۔

صوبہ سرحد کی کونسل میں ۱۳ اکتوبر کو بازاری عورتوں کے خلاف ایک مسودہ قانون پیش ہوا جس کا منشاء صوبہ سرحد کی بلدیات کو ایسے اختیارات عطا کرنا تھا جن کے رو سے وہ اپنی حدود سے عصمت فروشی کے اڈوں کو بند کرنے کے احکام جاری کر سکیں اور اگر ان کی تعمیل نہ کی جائے۔ تو خلاف ورزی پر سزائے قید و جرمانہ دی جائے۔ اس مسودہ میں مذکور تھا کہ اس قانون کے ماتحت جن اشخاص کے خلاف مقدمات چلائے جائیں گے ان کی سماعت سرسری اور مختصر ہوگی اور اس میں معزز اشخاص کی شہادت کافی سمجھی جائے گی لیکن صدر نے اس بحث کو خلاف آئین اور ناجائز قرار دے کر مسودہ خارج کر دیا۔

اوٹاوہ امپیریل اقتصادی کانفرنس کے ہندوستانی وفد کی رپورٹ شائع ہوگئی ہے جو متفقہ ہے۔ یہ رپورٹ ۸۱ صفحات پر مشتمل ہے جس کے ساتھ ضمیمہ جات بھی شامل ہیں اس میں بتایا گیا ہے کہ معاہدہ مذکور سے ہندوستان کی صنعتی ترقی کے راستہ میں رکاوٹ پیدا نہیں ہو سکتی۔ اور ہندوستان کی جدید فیڈرل حکومت کو یہ آزادی حاصل ہوگی کہ وہ اپنی رائے کے مطابق اپنی مالی حکمت عملی کا تعین کرے

آئرلینڈ کے شہر بیلفاسٹ میں ۱۲ اکتوبر کو بے روزگاروں کے ہجوم نے بلوہ کر دیا اور دن بھر لوٹ اور فساد کا بازار گرم رہا۔ مظاہرہ کرنے والوں نے پولیس پر پتھر برسائے دکانوں کو لوٹ لیا اور ٹریم کاروں کو توڑ دیا۔ کئی مکانات نذر آتش کر دئے۔ اس بلوہ میں تین اشخاص ہلاک اور چالیس زخمی ہوئے حکام پر زور دیا جا رہا ہے کہ بے روزگاروں کے امدادی وظائف کی شرح میں اضافہ کر دے۔ اور یہ تمام فساد اسی مطالبہ کی بنا پر رونما ہوا ہے کیونکہ ضلع بیلفاسٹ میں بے روزگار سخت مصائب میں مبتلا ہیں غالباً ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔

پنجاب گورنمنٹ کے ایک غیر معمولی گزٹ میں اعلان کیا گیا ہے کہ وائسرائے نے پنجاب کے پبلک سروس کمیشن ایکٹ پر منظوری کی مہر ثبت کر دی ہے۔ اس ایکٹ سے صوبہ میں پبلک سروس کمیشن کا قیام عمل میں لایا جائیگا۔ کمیشن کے تین ممبر ہونگے جن میں سے ایک پریزیڈنٹ ہوگا۔ چیئرمین کو گورنر نامزد کریگا۔ اور اس کے عہدہ کی میعاد پانچ سال تک ہوگی۔

جنیوا سے ۱۱ اکتوبر کی اطلاع ہے کہ لیگ اسمبلی نے ایک ریزولیوشن پاس کیا ہے جس میں گورنمنٹ پر زور دیا گیا ہے کہ وہ ایک ایسا قانون نافذ کرے جس کے رو سے بچوں اور عورتوں کی خرید و فروخت قطعی طور پر ممنوع قرار دی جائے۔

صوبہ سرحد کی کونسل کے اجلاس میں گورنمنٹ کی طرف سے بیان کیا گیا ہے کہ آرڈیننس کے ماتحت اضلاع پشاور بنوں و ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے ایک سو دیہات پر ۹ ہزار روپیہ جرمانہ کیا گیا ہے اور یہ کہ دسمبر ۱۹۳۰ء سے لے کر آج تک صوبہ کے جیلوں میں کل ۱۶ پولیٹیکل قیدیوں نے بھوک ہڑتال کی اور خود ہی ترک کر دی۔

لکھنؤ امیر ود منٹ ٹرسٹ میں اٹھائیس ہزار روپیہ کے غبن کا پتہ چلا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک ہندو جو پہلے ٹرسٹ میں کلرک تھا اور اب مفرور ہے اس غبن کا ذمہ دار ہے۔

لکھنؤ کانفرنس میں مندرجہ ذیل مسلمان لیڈر پہنچ گئے ہیں مولانا شوکت علی۔ نواب محمد اسمٰعیل خاں۔ محمد مسعود احمد سیٹھ حاجی سلیمان قاسم مٹھا۔ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد۔ محمد حمید قادری مولانا عبد الجعفر۔ شیخ عبد الحمید سندھی۔ مولانا محمد عرفان۔ مولانا حسن امام۔ سیٹھ عبداللہ ہارون۔ عبد اللطیف فاروقی سیٹھ یوسف (مدراس) آنریبل حسن امام۔ ڈاکٹر سید محمود چوہدری ظفر اللہ خاں۔ مولوی ظفر علی۔ فیروز الدین احمد نواب زادہ یوسف علی۔ عبد الرسول خان۔ قاضی احمد شاہ (بہار) میاں ظفر شاہ پریزیڈنٹ فرنٹیئر خلافت۔ بیرسٹر احمد شاہ اور سیکرٹری فرنٹیئر افغان جرگہ۔

پشاور۔ ۱۴ اکتوبر۔ افغان ایر فورس کے ایک ہوائی جہاز کو آگ لگ گئی۔ پائلٹ اور مکینک دونوں ہی مر گئے۔ فوجی رسوم کے ساتھ ان کا جنازہ نکالا گیا۔ جس میں فیلڈ مارشل شاہ محمد خاں وزیر جنگ اور دیگر سول اور فوجی افسر شریک ہوئے شاہ نادر شاہ نے پھول بھیجے۔

ملتان۔ ۱۴ اکتوبر۔ ایک مخبر کی اطلاع پر پولیس کی ایک جماعت نے خوشی رام درگا داس کی دکان پر چھاپہ مارا۔ اور تلاشی لی۔ پولیس نے تلاشی میں ۷ بوتل شراب قبضہ میں کر لیں۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ ہر دو دوکاندار ناجائز شراب فروخت کرتے تھے۔ پولیس نے ہر دو دوکانداروں کا چالان کر دیا ہے

جنوبی ہند کے براہمنوں نے اعلان کیا ہے کہ شاستروں میں جو طریقہ لکھا ہے وہ یہی ہے۔ کہ اچھوت ہندوؤں کے مندروں میں داخل نہیں ہو سکتے۔ کچھ پنڈتوں نے بھوکے رہ کر مر جانے کا الٹی میٹم دیدیا ہے۔ اگر پنڈت مالوی نے اس علاقہ میں آکر اچھوتوں کو مندروں میں داخل کرانے کی مہم شروع کی۔

لکھنؤ۔ ۱۵ اکتوبر۔ سیٹھ عبداللہ ہارون نے کانفرنس کے متعلق اخباری نمائندوں سے کہا۔ کانفرنس میں عجیب بے قاعدگی ہو رہی ہے ایک طبقہ باقی طبقات کو غیر مناسب طور پر متاثر کرنے کی کوشش کر رہا ہے حالانکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ اکثریت (ہنود) کی طرف سے شرائط پیش کی جائیں۔ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد نے بھی اس خیال کی تائید کی۔

سونے کی برآمد کے متعلق اندازہ لگایا گیا تھا۔ کہ برطانیہ کو طلائی معیار ترک کئے ایک سال گذر چکا ہے۔ اس عرصہ میں ۸۸ کروڑ روپیہ کا سونا ہندوستان سے باہر جا چکا ہے تو قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سونے کی برآمد کب تک جاری رہیگی۔ سونا جس مقدار میں برآمد کیا جا رہا ہے اس کو نیز اس کی کثیر مقدار کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ

عبد الرحمن قادیانی پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھاپا اور قادیان سے ہی شائع کیا ایڈیٹر غلام نبی